# پانیوں کے مسافر

شازیہ چوہدری

www.novelsjahan.com

مَیں اندھیرے کا مسافر ہوں مگر میرے لیے
مَیں اگر چاہوں تو اک پل میں اُجالا ہو جائے

CamScanner

"زرتاج! تم نے اسے بہت سر چڑھالیا ہے۔ اب وہ بچی نہیں رہی سیکنڈ ایئر کا امتحان دینے والی ہے مگر اس کی حرکتیں دیکھو۔"

آمنہ سخت خفا نظر آرہی تھیں۔

پروفیسر زرتاج صدیقی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے بال بنارہے تھے۔ سیاہ تھری پیس سوٹ میں دیدہ زیب رنگوں کے امتزاج کی سفید ٹائی میں اپنے پروقار سراپا سمیت بہت جچ رہے تھے۔ وہ چونتیس پینتیس برس کے پختہ عمر اور سنجیدہ مزاج مرد تھے۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں بھابی! عمر کے ساتھ ساتھ خود ہی سنبھل جائے گی۔" وہ بھابی کے بگڑے موڈ کی بحالی کے لیے ہلکے سے مسکرائے۔



CamScanner

"مجھے کوئی امید نظر نہیں آتی۔" آمنہ مکمل طور پر فارینہ سے مایوس ہو چکی تھیں۔

"دن ہو یا رات جب دیکھو ان چوزوں کے چونچلوں میں لگی رہتی ہے۔ بھلا بتاؤ مجھے 'وہ مرغی کے بچے ہیں یا اس کے اپنے۔" وہ جل کر کہہ رہی تھیں۔

"اس کی فطرت ہی پیار کرنے والی ہے۔ ان سے بہت متاثر ہو گئی ہے۔" بھابی کی تنبیہہ پر وہ لب دبا کر مسکرا دیے۔ ان کے لہجے کی بے فکری اور بے توجہی پر آمنہ جھلا گئیں۔

"مگر کوئی تک بھی ہو۔ اچھا شوق پالا ہے۔ گھر میں گند مچانے کو لے آئیں چار چوزے بھلا گھروں میں پلتے ہیں یہ۔"

انہیں جانور پالنے کا قطعی شوق نہیں تھا مگر فارینہ چھوٹے بچوں کی دیوانی تھی چاہے وہ جانوروں کے ہوں یا انسان کے۔ دو ہفتے پہلے اس نے ماسی سے فرمائش کر کے چار چوزے پالنے کے لیے منگوائے تھے۔

"جب سے چوزے اس گھر میں آئے ہیں محترمہ کھانا پینا' پڑھنا لکھنا سب بھول گئی ہیں۔ پیپرز سر پر ہیں اور اس کو چوزوں کے ناز نخرے اٹھانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔"

آمنہ کو تو رہ رہ کر ابال اٹھ رہے تھے۔

"واقعی! یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" وہ محض بھابی کا دل رکھنے کو تفکر سے سرہلانے لگے وگرنہ درپردہ فارینہ کو ان کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

"تم ہی اسے ذرا سختی سے سمجھاؤ۔ میری تو سنتی نہیں۔" انہیں پسیجتے دیکھ کر آمنہ فوراً بولیں۔

"ہائے۔ چاچو دیکھیں ذرا "ٹینا" کو کیا ہو گیا ہے۔ کل سے چھینکیں مار رہی ہے۔"

اسی اثناء میں اٹھارہ سالہ سیاہ ایک دم چمکدار بڑی بڑی آنکھوں والی گلابی رنگت میں معصومیت کی جاذبیت لیے فارینہ سفید پروں اور زرد چونچ والے کیوٹ سے چوزے کے ہمراہ داخل ہوئی اور بڑے پر تشویش انداز میں ہاتھوں میں متاع حیات کی طرح سنبھالے ہوئے چوزے کو زرتاج کے سامنے کرتے ہوئے پریشانی سے گویا ہوئی۔

"کیا ہو گیا آپ کی "ٹینا" کو؟" زرتاج نے اس کے ہاتھ سے چوزہ لے کر الٹ پلٹ کر چیک اپ کیا۔ جیسے ہی ان کے ہاتھ میں آیا۔ چوزہ چوں چوں کر کے ہاتھ پیر چلانے لگا۔

"نہ میلا بچہ' میلا شونا' چاند یہ چاچو ہیں ناں۔" فارینہ چوزے کے منے سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چمکاری۔ اس کا انداز کسی ذمے دار ماں کا سا تھا جو اپنی ممتا بھری آواز میں بچے کو بہلا رہی ہو۔ زرتاج اس کی معصومانہ ادا پر دھیرے سے مسکرا دیے۔

"لگتا ہے اس کو زکام ہو گیا ہے۔" فارینہ بڑی رنجیدگی سے چوزے کو دیکھ کر اندازہ لگا رہی تھی۔

"بے وقوف! چوزوں کو زکام نہیں ہوا کرتا۔" آمنہ اپنی بیٹی کی معصومیت پر چڑ کر بولیں۔

"میں صحیح کہہ رہی ہوں امی!" اس نے اپنی نوکدار پلکوں والی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر یقین دلانے کی کوشش کی۔

"اور اب تو اس کو ٹمپریچر بھی ہو رہا ہے۔" فارینہ نے نہایت ہمدردی سے چوزے کو دیکھا۔

"چلتے چلتے بیٹھ جاتا ہے' کمزوری اتنی ہو گئی ہے کہ چلا بھی نہیں جاتا۔" اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔

آمنہ نے ایک نظر چوزے کو دیکھا پھر ٹھٹک سی گئیں۔

"اے لو۔ ارے بھئی یہ علامات تو چوزوں کی ایک بیماری "رانی کھیت" کی ہیں۔" وہ تشویش میں پڑ گئیں۔

"کس کے کھیت کی؟" فارینہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔

"بیماری کا نام ہے رانی کھیت۔" آمنہ نے برا مان کر تصحیح کی۔ "اب تو نہیں بچے گا یہ۔ یہ بیماری جان لے کر چھوڑتی ہے اور وائرل ہوتی ہے۔ اب سب کو لگ جائے گی۔" انہوں نے جیسے ڈرایا۔ فارینہ نے دہل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نن..... نہیں۔" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے ہراساں ہو کر چوزہ زرتاج کے ہاتھ سے جھپٹ

کر اپنے سینے سے لگالیا۔
"لائیں دیں۔ میری ٹینا کو کچھ نہیں ہوگا انشااللہ۔ یہ تو ویسے ہی تھوڑی سست ہو رہی ہے۔ ہے ناں میری شہزادی۔"
وہ آنسو پیتے ہوئے چوزے کو ہاتھ سے تھپکتے ہوئے اپنے آپ کو تسلی دے رہی تھی۔
زرتاج آگے بڑھے اور آہستگی سے اس کے شانوں کے گرد ہاتھ ڈال کر اس کی پشت تھپ تھپائی۔
"ارے ہماری گڑیا تو حوصلہ ہارنے لگی۔ بھئی کچھ نہیں ہوگا تمہاری ٹینا کو۔" وہ بزرگانہ انداز میں بہلا رہے تھے۔
"ہم چوزے کو وٹنری اسپتال لے جاکر انجکشن لگوا دیں گے۔ بلکہ سب کو حفاظتی ٹیکے لگوا دیں گے۔"
"ہائیں سچ۔ چاچو آج ہی چلتے ہیں ناں۔" وہ خوشی سے ان کے کندھے سے لگ کر منت کرنے لگی۔ اس کے انداز سے بے تابی کی کیفیت عیاں تھی۔
"بے وقوفوں والی باتیں نہ کیا کرو۔" آمنہ نے فوراً" جھڑک دیا۔
"زرتاج کو عصمت خالہ کے بیٹے کے ولیمہ پر جانا ہے۔ بلکہ تم بھی تیار ہو جاؤ۔ پرچوں کی تیاری تو خاک بھی نہیں ہو رہی۔ جو پڑھائی میں حرج ہونے کا خدشہ ہو۔ دو گھنٹے میں واپسی ہو جائے گی۔ کون سا کھانا پینا ہوگا۔ بس دلہا دلہن سے ملے' سلامی دی' بوتل پی اور رشتہ داروں سے سلام دعا کر کے واپس چلے آئے۔ اب شادیوں میں پہلے جیسی رونق کہاں۔"
"اوہنہ۔ میں نہیں جا رہی۔" فارینہ نے گھنگھریالے خوبصورت گھنے بالوں والے سر کو جھٹک کر بے زاری ظاہر کی۔
"ایسا کرو گڑیا ہمارے ساتھ ولیمہ میں چلی چلو واپسی پر گزرتے ہوئے تمہارے چوزوں کو بھی ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔" زرتاج نے نیا حل نکالا۔
"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" ان کی توقع کے مطابق وہ جھٹ پٹ راضی ہو گئی۔ آمنہ نے شکر کا کلمہ پڑھا اور

---

میں یہی سمجھوں گا میری محبت جھوٹی تھی
تم اگر کہیں بھی
مجھے نظر انداز کر کے آگے بڑھ سکتے ہو
تو بڑھ جاؤ
مجھے بھلا سکتے ہو تو بھول جاؤ
یا اگر
راستوں' ویرانوں اور لوگوں کے دلوں میں
یا خود اپنے اندر
کبھی بھی کہیں بھی
مجھے مار سکتے ہو تو مار دو

لبنیٰ صفدر۔ پنڈی بھٹیاں

---

تیار ہونے چل دیں۔
"فارینہ تقریب میں بڑی بے دلی سے شریک ہوئی تھی۔ اس کا زیادہ تر دھیان چوزوں کی طرف لگا ہوا تھا جو گاڑی میں ایک گتے کے باکس میں رکھے ہوئے تھے۔
حسب معمول جب رشتہ دار آپس میں مل بیٹھ کر اپنی اپنی سنانے بتانے لگے تو عصمت خالہ نے اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑ دیا۔
"اے آمنہ! اپنے دیور کی بات چلائی کہیں؟"
سب خواتین بھی دلچسپی کے عالم میں ادھر متوجہ ہو گئیں۔ آمنہ نے ٹھنڈی سانس لی۔
"کہاں خالہ! مانتا ہی نہیں ہے۔ کہتا ہے بھابی! ابھی ان چونچلوں کی فرصت نہیں ہے۔ سنجیدگی سے کچھ عملی کام کر لینے دیں پھر دیکھی جائے گی۔ شادی تو محض تفریح اور دل بہلاوا ہے اور میں فی الوقت یہ عیاشی افورڈ نہیں کر سکتا۔ ابھی مجھے ریسرچ کا بہت سا کام نمٹانا ہے۔ لو بھلا پی ایچ ڈی تو کر لی ہے اکنامکس میں' یونیورسٹی میں پروفیسر لگے ہوئے ہیں اور کیا کریں گے۔" آمنہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔
"اور کیا۔" عصمت خالہ نے چمک کر کہا۔ وہ بڑی مدت سے اپنی عذرا کے لیے زرتاج کا رشتہ سوچے ہوئے تھیں۔ "خیر سے چونتیس برس کے ہو گئے ہیں۔

زرتاج اور کیا دیر کرنا۔ اب تو بھتیجی بھی ان کے کندھوں تک آپہنچی ہے۔ خیر سے جوان ہوگئی ہے۔"

عصمت خالہ کی نظریں فارینہ کے پربہار سراپا کا گہری نگاہ سے جائزہ لے رہی تھیں۔ فارینہ نے بڑا قد کاٹھ نکالا تھا۔ اپنی عمر کی لڑکیوں سے بڑی لگتی تھی۔ اس کا چھریرا بدن بھر کر اسے مکمل نسوانی حسن وگداز عطا کرگیا تھا۔ غضب کا جوبن تھا اور قیامت کی اٹھان تھی۔ اوپر سے چہرے کی قدرتی آرائش میں، کھلی معصومیت، سادگی اور بھولپن اس کے حسن کو مزید شگفتگی بخشتا تھا۔

"اے ہاں! فارینہ کی کہیں بات طے کی؟" ایک بڑی بی نے رازداری اور فکرمندی سے دریافت کیا۔

"ابھی تو زرتاج کے معاملے میں جتی ہوئی ہوں۔ فارینہ کی باری تو بعد میں آئے گی۔ ویسے بھی کون سا ہاتھی گھوڑے لگیں گے بات طے کرنے میں کرنی تو خاندان میں ہی ہے۔"

آمنہ نے حددرجہ کوفت وبیزاری سے جواب دیا۔

ان کے خاندان میں لڑکی کو غیر برادری میں بیاہنے کا رواج نہیں تھا۔ بھلے سے اپنے خاندان میں کوئی لڑکا نہ جڑے یا بے جوڑ شادی ہوجائے مگر باہر نہیں دیتے تھے اور فارینہ کے جوڑ کا خاندان میں اس کا پھوپی زاد فیضان ہی بچتا تھا۔ فیضان، فارینہ سے تین چار سال بڑا تھا۔ بی۔ اے میں فیل ہونے کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع کرچکا تھا اور آج کل اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ ادھرادھر گھوم پھر کر کھیل تماشوں میں وقت برباد کررہا تھا۔ بڑا لاابالی، غیرذمے دار اور سطحی مزاج کا حامل تھا اور آمنہ کو اپنی بھولی بھالی حسین بیٹی کے لیے فیضان جیسا بے پروا، نکما لڑکا بالکل بھی نہیں پسند تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ اس کے علاوہ خاندان میں اور کوئی جوڑ بھی نہیں تھا اگر فیضان کے لیے انکار کرتیں تو خاندان کے کسی دوسرے لڑکے کا انتخاب کرنا پڑتا جو یا تو فارینہ سے سات آٹھ سال چھوٹا ہوتا یا پچاس پچپن کے پیٹے میں۔

اسی لیے آمنہ، فارینہ کے مستقبل کے لیے بہت پریشان رہتی تھیں۔ باپ انتقال کرچکا تھا اور خود آمنہ بلڈ کینسر کی مریضہ تھیں ایسے میں زرتاج کا مضبوط سہارا نہ ہوتا تو وہ کب کی ہار چکی ہوتیں۔ زرتاج، فارینہ کے ابو حیدر صاحب کا خالہ زاد بھائی تھا۔ بچپن میں ہی یتیم ہوگیا تھا۔ جب آمنہ بیاہ کر آئیں تو اس وقت زرتاج نودس سال کا بچہ تھا۔ حیدر صاحب، خالہ خالو کی وفات کے بعد زرتاج کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس لے آئے تھے۔ اپنی سنجیدہ و متین اور ذمے دارانہ نیچر کی بدولت زرتاج نے بہت جلد آمنہ کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ آمنہ نے انہیں ماں، بڑی بہن اور بھابی ہر لحاظ سے بھرپور شفقت سے نوازا تھا۔ جب حیدر صاحب کی وفات ہوئی تو فارینہ بارہ تیرہ برس کی تھی۔ حیدر صاحب کے بعد زرتاج نے خودبخود گھر کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی ذمے داری سنبھال لی تھی۔ فارینہ کو چچا کی حیثیت سے بھرپور پیار دینے کے ساتھ ساتھ گھر کی معاشی ضروریات پوری کرنے اور آمنہ کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے کے لیے انہوں نے ہر ممکن اقدام کیا تھا۔ آمنہ بڑے تشکر سے کہتی تھیں۔

"اگر زرتاج تم نہ ہوتے تو میرا کیا بنتا۔ ایک بیوہ اور نوخیز لڑکی کی ماں اکیلی کہاں دردر کے دھکے کھاتی۔ مجھے تمہارا بڑا حوصلہ رہتا ہے۔"

♣ ....... ♣ ....... ♣

"ایک ضروری اعلان سنیے! ناظرین ہم فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوگئے ہیں۔ اب ہم تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن لیں گے۔ ہاہاہا۔" وہ پورے گھر میں ناچتی پھر رہی تھی۔ اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"اوہو کیا آفت آگئی ہے؟ گھر سر پر اٹھالیا ہے۔"

آمنہ دل ہی دل میں سجدہ شکر بجالائی تھیں مگر حسب عادت اوپر سے خفگی دکھا رہی تھیں۔

"کیا ہوگیا؟" اسی لمحے شور سن کر زرتاج اپنے کمرے سے نکلے تھے۔

"چاچو! او میرے چاچو۔" فارینہ ایک نعرہ بلند کرتی ہوئی والہانہ زرتاج سے لپٹ گئی۔

"میں نے فرسٹ ڈویژن لی ہے انٹر میں۔" وہ خوشی سے دیوانی ہوئی جارہی تھی۔



CamScanner

"ہائیں واقعی۔ بھئی بہت بہت مبارک ہو۔" زرتاج نے جوش سے اس کی پشت تھپ تھپاتے ہوئے گلے لگالیا۔ مسرت سے فارینہ کا چہرہ گلنار ہوا جارہا تھا۔

"سچی چاچو! میں تو حیران ہوں بھلا کس طرح پاس ہوگئی۔ حالانکہ اردو کا پرچہ اتنا خراب ہوا تھا اور حساب میں تو مجھے یقین تھا میں فیل ہوجاؤں گی۔" وہ اپنے گھنگریالے بال سپید پیشانی سے ہٹاتی ہوئی تیز تیز بول رہی تھی۔

"ارے بھئی ہماری گڑیا بہت ذہین ہے۔ ہمیں خبر تھی۔" زرتاج نے پیار سے اس کے گلگوں ہوتے رخسار سہلائے۔ "میں ابھی مٹھائی لے کر آتا ہوں۔ سب گھروں میں بانٹنا۔ خوشی کی خبر ہے۔"

"ہاں اور مجھے عالیہ اور حرا کے گھر بھی جانا ہے۔ خود جاکر مٹھائی دوں گی۔" فارینہ نے فرمائش کی۔

"اوکے ڈیئر۔"

وہ گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے پورچ کی طرف بڑھے تھے۔

"چاچو! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟" اس نے اچانک اشتیاق سے کہا۔

"کمال کرتی ہو۔ بھئی وہ مٹھائی لے کر گھر ہی آئیں گے۔ تھوڑا صبر نہیں ہوتا۔" آمنہ نے اسے لتاڑا۔ وہ چاول چنتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

زرتاج کا اسمارٹ دلکش سراپا ہلکے نیلے شلوار کرتے میں بہت نمایاں ہورہا تھا۔ گندمی رنگت میں سرخی سی گھلی ہوئی تھی' روشن براؤن آنکھوں میں مدبرانہ چمک تھی۔ اپنے کسرتی تنومند جسم کی وجہ سے اپنی عمر سے بھی سات آٹھ سال چھوٹے دکھائی دیتے تھے۔

"کتنی بار کہا ہے دوپٹہ اوڑھا کرو' اب تم بچی نہیں رہیں۔"

زرتاج گاڑی لے کر چلے گئے تو انہوں نے منہ بسورے کھڑی فارینہ کو ڈانٹا۔ فارینہ کو دوپٹہ اوڑھنے کی عادت نہیں تھی۔

"کیا ہے امی۔ اب بندہ گھر میں بھی "پیک" ہوکر پھرا کرے۔" اس نے ناک چڑھا کر ناپسندیدگی ظاہر کی۔

"باہر جاتی ہوں تو اتنے بڑے دوپٹے کو تمبو کی طرح تان کر نکلتی ہوں ناں۔ بس گھر میں معاف رکھیے مجھے۔"

"جب لڑکی بڑی ہوجائے تو اندر باہر ہر جگہ دوپٹہ اوڑھنا چاہیے۔" انہوں نے سلیقے سے سمجھایا۔

"گھر میں کس سے پردہ کروں۔ آپ ہیں اور چاچو ہیں۔ بس اپنے ہی تو ہیں۔" وہ گھنگریالی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے بے فکری سے گویا ہوئی۔

"مردوں کے سامنے بھی ڈھنگ سے اوڑھنا چاہیے۔" انہوں نے فہمائش کی۔

"مرد کون؟ بھئی وہ تو نامحرموں کے سامنے ایسے خیال رکھنا پڑتے ہیں اور ہمارے گھر میں تو میرے لیے کوئی بھی نامحرم نہیں۔ چاچو ہی تو ہیں اور وہ میرے سگے سگے محرم ہیں۔ کیوں؟"

نہ جانے کیا ہوا آمنہ کے احساسات میں عجیب سی ہلچل ہونے لگی۔ وہ بغور اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ سبز اور سیاہ پرنٹ کے لان کے ہلکے پھلکے کپڑے جسم کا حصہ بن کر چپک سے گئے تھے۔ گورا گداز بھرا بھرا جسم دوپٹے کی علت سے آزاد ایک دم بہت نمایاں ہورہا تھا وہ اسکی قیامت خیز اٹھان دیکھ کر دل تھام کر رہ گئیں۔

"اتنی جلدی بڑی ہوگئی ہے یہ۔" ان کی سانسوں میں تفکر رچنے لگا۔ اپنی بیماری اور کبھی بھی لمحے کچھ ہوجانے کا ڈر ان کے دل کو مٹھی میں بھینچ رہا تھا۔

اگر خدانخواستہ مجھے کچھ ہوگیا تو اس کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ زرتاج بہرحال مرد ہے۔ وہ تو چوبیس گھنٹے گھر میں بیٹھ کر اس کا خیال رکھنے سے رہا اور پھر روزگار اور کام بھی تو ہے اس کا۔ گھر میں ایک عورت کا وجود بہت ضروری ہے۔ زرتاج سے سنجیدگی سے بات کروں گی کہ وہ اپنی شادی کے لیے ہاں کردے۔ وہ سوچوں میں گھری جانے کہاں کہاں جا پہنچی تھیں۔

♣ ..... ♣ ..... ♣

"کیوں ظلم کر رہا ہے خود پہ۔ میں کہتا ہوں مزید دیر کرے گا تو کوئی اپنی بیوہ یا طلاق من لڑکی بھی نہیں دے گا۔" زرتاج کا بے تکلف دوست ڈاکٹر شجاع ان کی اچھی طرح خبر لے رہا تھا زرتاج کو کچھ دنوں سے ٹمپریچر تھا۔ آج کچھ زیادہ ہی ہو گیا تو شجاع کو بلوالیا۔

"تیرا بلڈ پریشر اتنا ہائی ہو رہا ہے۔ تکلیف کیا ہے تجھے، مجھے کوئی اتنے پیار سے اصرار کرے تو ایک چھوڑ دس شادیاں کر ڈالوں۔"

"چپکے بیٹھے رہو۔ بھابی کو بتاؤں تو تمہارا سر گنجا کر دیں گی۔" زرتاج نقاہت سے مسکرائے۔ ڈاکٹر شجاع شادی شدہ تھے اور دو بچوں کے باپ تھے۔

"تیری سب بیماریوں کا علاج شادی ہے۔ یہ جو ہر دوسرے مہینے ٹمپریچر ہوتا ہے۔ کبھی بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا ہے اور کبھی نروس ٹینشن ہوتی ہے یہ سب علامات تمہاری جذباتی ناآسودگی کی ہیں۔ اپنے جسم کا صدقہ دو۔ کچھ خیرات نکالو وگرنہ اتنا ضبط اور بندش تمہاری ہیجانی کیفیات کو مزید مہمیز کریں گی اور خدانخواستہ نروس بریک ڈاؤن بھی ہو سکتا ہے۔ پروفیسر بنے پھرتے ہو۔ کیوں اپنی جوانی برباد کر رہے ہو۔ ایسی راہبانہ مجرد زندگی کا کیا فائدہ۔ جانے کہاں کے سادھو بن بیٹھے ہیں۔"

"خدا کے لیے اس میرٹھ کی قینچی کو کچھ آرام دے دو۔" وہ اس کی چلتی زبان سے گھبرا کر بولے۔

"تو یسے کامریڈ! مجھے ایک بات کا یقین ہو چلا ہے۔ پہلے پہل محض شک تھا۔" شجاع نے مشکوک نظروں سے انہیں گھورا۔ "تم نے کہیں دل پھنسا لیا ہے۔ تبھی اپنی شادی کو ناں کرتے رہتے ہو۔"

"ہر ایک کو اپنی طرح نہ سمجھا کرو۔" زرتاج نے اطمینان سے کہا۔

"پھر کیوں انکار کرتے ہو۔ کر ڈالو شادی خانہ بربادی۔" شجاع اچھی طرح ان کو گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔

"یار! جان چھوڑو۔ جاؤ اپنے گھر سدھارو اب۔" انہوں نے بیزاری دکھائی۔

"میں ان حیلوں سے نہیں ٹلنے والا۔" شجاع اطمینان سے ایزی چیئر پر جھولنے لگا۔

"ارے جناب! ایک بمباسٹک نیوز۔ مابدولت نے آل پاکستان کوئز مقابلہ جیت لیا ہے۔ لا۔ لا۔ لا۔"

اسی لمحے وہ شادیانے بجاتی اندر داخل ہوئی تھی۔ شجاع نے دلچسپی سے دیکھا۔ نیلے شلوار قمیص میں گھنگریالی لٹوں کو جھلاتی اپنی گوری تمتماتی رنگت پہ فتح کی سرشاری لیے بڑے جوشیلے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ وہ کپ ہاتھ میں تھامے سیدھی زرتاج کے بیڈ کی طرف بڑھی تھی مگر ایزی چیئر پر موجود اجنبی مرد کو دیکھ کر جیسے اسے ایک دم بریک لگ گئے۔

"اوہ۔ سس..... سوری۔" وہ شرمندہ نگاہ زرتاج پر ڈال کر پلٹ گئی اور پلک جھپکتے میں غائب ہو گئی۔

"یہ کون تھی اجنبی حسینہ؟" شجاع حیرت کی تصویر بنا زرتاج سے پوچھ رہا تھا۔

"فارینہ ہے۔ میری بھتیجی۔" ان کے لہجے میں شفقت تھی۔

"تیری بھتیجی۔ چل یار مذاق نہ کر۔ اتنی جوان جہان حسین و جمیل لڑکی تیری بھتیجی کیسے بن گئی اور تیرا تو کوئی بھائی ہی نہیں ہے۔" شجاع کو یقین نہیں آیا۔

"بے وقوف! حیدر بھائی کی بیٹی ہے۔" زرتاج نے سگریٹ جلاتے ہوئے بتایا۔

"تو یوں کہہ ناں۔" شجاع نے اطمینان کی سانس لی۔ "پھر تیری بھتیجی کہاں سے ہو گئی۔ سگا رشتہ تو نہیں ہے ناں۔"

"کیا مطلب؟" وہ برا مان کر اسے دیکھنے لگے۔

"یہ سگا، سوتیلا کیا ہوتا ہے۔ میں اس کا چچا ہوں اور بس یہ رشتہ کافی ہے۔" ان کا لہجہ اٹل تھا۔

"منہ بولا رشتہ کچھ بھی بنایا جا سکتا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ تیرا اس سے خون کا رشتہ نہیں ہے۔ میری جان تو اس سے شادی کر لے۔ اتنی حسین اور پیار کرنے والی....."

"شجاع۔ اپنی زبان بند رکھو۔" وہ طیش میں آ کر اس کا گریبان تھام کر غصے سے بولے۔ ان کے چہرے پر

سرخی کی لپک تھی۔
شجاع نے بھڑکنے کی بجائے آرام سے اپنا گریبان ان سے چھڑایا اور ان کے ہاتھ تھام کر تحمل سے بولا۔
"جوش میں نہ آؤ میرے یار۔ اس وقت تو تم جذبات سے سوچ رہے ہو۔ اگر ٹھنڈے دل سے میری تجویز پر غور کرو تو مجھے یقین ہے تمہارا فیصلہ مختلف ہوگا۔ تمہاری بھابی مہلک مرض کا شکار ہیں اور ظاہر ہے وہ جلد از جلد بیٹی کو اپنے گھر کا دیکھنا چاہتی ہیں اور تمہاری زندگی میں بھی بہار دیکھنے کی متمنی ہیں۔ تم نے بتایا تھا تمہارے ہاں خاندان سے باہر لڑکی دینے کا رواج نہیں ہے اور فارینہ کے جوڑ کا مناسب بر نہیں ملتا خاندان میں۔ اسی لیے تمہاری بھابی اس درجہ پریشان رہتی ہیں۔ تم چاہو تو ان کی پریشانی سمیٹ سکتے ہو۔ تم جوان ہو' خوش شکل ہو' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہترین روزگار کے مالک ہو۔ پھر گھر کے بندے ہو' ایسا داماد پا کر تمہاری بھابی کی سب فکریں دور ہو جائیں گی پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم خاندان کے ہو۔ سوچو ذرا اگر ایسے ویسے بے جوڑ بندے سے فارینہ کو بیاہ دیا گیا تو تمہاری بھابی کو کس قدر صدمہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی دل ہی دل میں ایسا کچھ سوچ کے بیٹھی ہوں اور تمہاری طرف سے پہل کی منتظر ہوں۔"
"تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ نڈھال سے ہو کر سر تھام کر بیڈ پر لیٹ گئے۔ ان کی نظروں میں زمین آسمان گھوم کر رہ گئے تھے یوں لگا جیسے کسی نے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔
کیسا عجیب سا انہونا سا خیال سوجھا تھا شجاع کو۔ وہ تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے اس قسم کی کوئی بات۔
"تم آرام سے اطمینان سے سوچ لو۔ میں کل آؤں گا تمہارے چیک اپ کے لیے۔" شجاع نے مناسب سمجھا کہ انہیں تنہا چھوڑ دے وہ ان کا کندھا تھپ تھپا کر چلا گیا۔
زرتاش کی نس نس میں شرارے دوڑ رہے تھے۔

♣ ..... ♣ ..... ♣

"میں کہتی ہوں پیپرز نزدیک ہیں کچھ پڑھ لے۔" آمنہ اس کی کدکڑے لگاتی حرکتوں سے عاجز آگئی تھیں۔
"امی جان! آپ کی بیٹی عقل مند ہے عقل مند۔" اس نے فخر سے کالر اکڑائے۔
"اس بلی کے بچے کا پیچھا چھوڑ دے۔ ایک تو میں تمہاری جانور پالنے والی حرکت کے ہاتھوں بہت تنگ ہوں۔"
بلی کے بچے کو ڈبل روٹی دودھ میں بھگو کر کھلاتے ہوئے فارینہ نے پیار سے اسے سہلایا۔ "امی! جانور بہت اچھے ہوتے ہیں۔ بیچارے کسی کو تکلیف نہیں دیتے' الٹا انہیں خوش کرتے ہیں۔ پیار کی زبان سمجھتے ہیں۔ جب ہم انہیں ڈانٹتے ہیں یا پیار کرتے ہیں تو ان کی سب سمجھ میں آرہا ہوتا ہے۔"
"چل چھوڑ یہ بے کار کی بحث۔ تیرے چاچو کدھر ہیں؟ دو تین دن سے دیکھ رہی ہوں گھر سے غائب رہنے لگے ہیں۔"
"بیماری سے اٹھے ہیں۔ ظاہر ہے پڑے پڑے تھک گئے ہوں گے۔ کہیں پارک میں سیر کرنے نکل گئے ہوں گے۔" وہ بے پروائی سے بولی۔
"تو اور سنو۔" انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "جیسے پہلے تو وہ روز پارک کی سیر کو جاتے تھے' میں دیکھ رہی ہوں راتوں کو بھی جاگتے ہیں اور سگریٹ پھونکتے رہتے ہیں۔ خدا جانے کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟" وہ تفکر سے کہہ رہی تھیں۔ فارینہ بلی کے بچے کے چونچلے اٹھانے میں مصروف تھی اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔
اسی لمحے وہ آگئے۔
"تو بڑی عمر ہے تمہاری۔ ابھی میں ذکر کر رہی تھی۔ کہاں رہ گئے تھے؟" آمنہ ان کے ستے ہوئے چہرے اور سرخ بے خواب آنکھوں کو بغور دیکھتی ہوئی پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔
"شجاع کے پاس گیا تھا۔" انہوں نے مختصراً جواب دے کر اچٹتی سی نگاہ بلی کے بچے کو ہاتھ میں لیے

فارینہ پر ڈالی۔ حسب عادت دوپٹے سے بے نیاز تھی اور لان کے چست زرد شلوار قمیص میں گھنگریالی لٹوں کو گلابی چہرے سے ہٹاتی بڑی حسین لگ رہی تھی۔ ان کی نظریں غیرارادی طور پر اس کے سراپا کو جانچ رہی تھیں۔ یوں جیسے پہلی دفعہ دیکھا ہو۔

انہیں ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ ان کی گڑیا سی فارینہ تو نہیں تھی۔ یہ تو ایک جوان عورت کا گدرایا ہوا بھرپور وجود تھا۔

"چاچو! دیکھیں میری "مشی" کتنی بڑی ہوگئی ہے۔" وہ بلی کو گود میں لے کر چہکتے ہوئے ان کے پاس آئی اور بے تکلفی سے بازو تھام کر بولی۔ اس کی مخروطی گداز انگلیوں کا لمس جیسے کرنٹ بن کر زرتاج کے جسم میں دوڑ گیا۔ انہوں نے تیزی سے بازو چھڑالیا یوں لگا جیسے بجلی کے ننگے تاروں کو چھولیا ہو۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ احساسات میں یہ کیسی تبدیلی آئی تھی۔ وہ دوسری نگاہ اس پر نہ ڈال سکے۔ سہمے سہمے بوکھلائے قدموں سے بمشکل تمام اپنی توانائیاں مجتمع کرکے اپنے کمرے میں آگئے۔

♣ ........ ♣ ........ ♣

"تم سے کچھ بات کرنا ہے زرتاج۔" آمنہ بڑے دنوں بعد ان کے کمرے میں آئی تھیں۔ وہ لیٹ کر کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ انہیں اندر آتا دیکھ کر اٹھ بیٹھے۔

"جی کہیئے بھابی!" وہ شائستگی سے گویا ہوئے۔

"تم تو جانے کب میرے دل کی مراد پوری کروگے مگر فارینہ کے بارے میں، میں سوچ چکی ہوں۔ میری طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے اور میں چاہتی ہوں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے گھربار کا ہوتے دیکھ لوں۔ یوں بھی خیر سے بی۔ اے میں آگئی ہے۔ یہی عمر ہوتی ہے شادی کی۔"

وہ عجیب سے تاثرات لیے ان کی اگلی بات کے منتظر تھے۔

"فیضان مجھے تو پسند نہیں آیا۔ کسی طرح بھی فارینہ کے جوڑ کا نہیں ہے۔ محض شکل ہی تو ہے۔ نہ کام نہ کاج، نہ تعلیم۔"

"لیکن بھابی۔ اس کے علاوہ خاندان میں اور کوئی مناسب رشتہ بھی تو نہیں ہے۔" وہ دل کے چور کے ہاتھوں بڑے دھیمے سے لہجے میں گویا تھے۔ آمنہ نے طائرانہ نگاہ ان پر ڈالی۔ ان کی نظروں میں ایک عجیب سا سوال تھا۔

"ہے تو سہی لیکن......" وہ ہچکچائیں۔

"کیا مطلب؟" زرتاج کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

"زرتاج۔" وہ عجیب کشمکش کا شکار تھیں۔ "اگر تم چاہو تو۔ دیکھو تم اس کے سگے چچا تو نہیں ہو...... اور......"

ان کے اعصاب پر جیسے بم پھٹا۔ جس بات کا خدشہ تھا وہ سچ ثابت ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے شجاع نے درست اندازہ لگایا تھا۔

"مگر بھابی!" ان کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ فارینہ نے کبھی اس طرح نہیں سوچا اور شاید اس رشتے کو قبول بھی نہ کرے۔" وہ نظر ملائے بغیر آہستگی سے کہہ رہے تھے۔

"لڑکیوں کا ذہن موڑنا کون سا مشکل ہوتا ہے اس کو میں سمجھالوں گی۔" آمنہ کے چہرے پر رونق پھوٹنے لگی۔

"تم اپنی رائے دو۔"

"بھابی۔" "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے آپ کی اور فارینہ کی خوشیاں جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔" ان کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

♣ ........ ♣ ........ ♣

"امی۔" فارینہ نے فلک شگاف چیخ ماری تھی۔ "امی خدا کے واسطے۔ کہہ دیں آپ مذاق کررہی ہیں۔" اس کے اعصاب جھنجھنا رہے تھے۔ دماغ ماؤف ہوا جارہا تھا۔ "امی وہ میرے چچا ہیں، میرے باپ کے برابر۔" ہوائیاں اڑتے چہرے، پھیلی پھیلی خوفزدہ آنکھوں اور لرزتے ہوئے جسم سمیت وہ حال سے بے حال ہوئی جارہی تھی۔ اس کے ہوش گم ہوگئے تھے۔



CS CamScanner

"مگر سگے چچا تو نہیں ہیں بیٹی۔" آمنہ خلاف معمول پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

"مگر مجھے یہی باور کرایا گیا ہے۔ اس رشتے سے میں ان کے قریب ہوئی تھی۔" وہ ہلکان ہو رہی تھی۔ "اگر ایسا کچھ تھا تو مجھے بچپن سے ہی یہ تفریق یاد کرادی جاتی۔ اب کیوں ظلم کر رہی ہیں۔" وہ بلک پڑی۔ "میں انہیں کس طرح شوہر کی حیثیت دے سکتی ہوں۔ میں مرجاؤں گی امی۔" اس کا تڑپنا بلکنا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

پردے کی اوٹ میں کھڑے زرتاج کے دل پر جیسے گھونسا لگا تھا۔

"تم انہیں دوسری نظر سے دیکھو گی تو....."

"امی خدا کے واسطے بس کریں۔ میرے لیے یہ تصور ہی گناہ کے برابر ہے۔" وہ جیسے برس پڑی تھی۔ "میں مرجاؤں گی مگر انہیں اس روپ میں قبول نہیں کروں گی۔ گھن آتی ہے مجھے یہ سوچتے ہوئے بھی۔"

زرتاج کا وجود سن ہو کر رہ گیا۔

"تو پھر اس نکمے نکھٹو فیضان کو قبول کرنا ہوگا۔ کیونکہ تمہاری شادی بہرحال خاندان میں ہی ہوگی۔" آمنہ سختی سے بولیں۔

وہ پیر پٹخ کر رہ گئی۔

"اس سے بہتر ہے میں شادی ہی نہ کروں۔"

"شادی نہیں کرو گی تو مجھے مر کے بھی چین نصیب نہیں ہوگا۔ کیا یہی چاہتی ہو تم۔" انہوں نے ناراضگی سے کہا۔

"امی۔" وہ تڑپ کر ان سے لپٹ گئی۔

"بیٹے میری زندگی کا کیا بھروسا' آج ہوں کل نہیں ہوں گی اتنی بڑی دنیا میں اکیلی کیسے جیئے گی۔ یہاں کے لوگ بہت ظالم اور نفس پرست ہیں بیٹے۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تھک رہی تھیں۔ اس کی خاموش سسکیاں اس کے اقرار کی گواہی دے رہی تھیں۔

♣ ..... ♣ ..... ♣

"کتنے دن بیت گئے ہیں مگر دل یقین نہیں کرتا۔ یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہی ہو۔"

وہ اجاڑ صورت لیے ملگجے کپڑوں میں خزاں رسیدہ پیڑ کی طرح ویران اور بے رنگ نظر آ رہی تھی۔

امی کا سوئم بھی ہو گیا۔ حتیٰ کہ کل چالیسواں بھی ہو جائے گا۔ مجھ پر قیامت بیت گئی۔ مگر یہ دنیا' یہ کائنات جوں کی توں قائم ہے۔ اسی طرح روز سورج نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے۔ ہوائیں بھی اپنی رفتار سے چل رہی ہیں' موسم کے رنگ بھی وہی تھے۔ وہی آسمان' وہی شہروں بازاروں کی رونقیں اور وہی مصروفیات۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا ہر شے جہاں تھی وہاں موجود تھی۔ ہاں مگر ایک یہ میرا دل جس کی دنیا اجڑ گئی ہے۔ یہ گھر جہاں ماتم کے گھور اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔"

اس نے ٹھنڈی سانس لے کر آنکھوں میں جمع ہونے والے پانی کو بے دردی سے انگلیوں سے جھٹکا تھا۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں اس پانی کو ان آنکھوں سے بہتے ہوئے۔ مگر نہ پانی کی رفتار میں کمی آئی ہے' نہ آنکھیں اس طغیانی پر احتجاج کرتی ہیں۔" وہ تھکے تھکے اعصاب لیے بمشکل تمام اٹھ کر باہر آئی۔ زرتاج چالیسویں کے لیے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔

جب سے انکشاف کی منزل کو چھوا تھا دونوں ایک دوسرے سے نظر ملانے سے کتراتے تھے۔ بہت کم ایک دوسرے کے سامنے آتے تھے۔ یوں بچے بچے پھرتے تھے جیسے کسی کا کچھ لے کر بھاگے ہوں۔ عجب مجرمانہ سی کیفیات کا شکار تھے۔

اس شخص کو جسے میں نے کبھی باپ کی جگہ دے کر اپنا پیار نچھاور کیا تھا اس کو کس طرح اپنے جیون ساتھی کے روپ میں دیکھ سکوں گی۔ امی یہ آپ مجھے کس مصیبت میں ڈال گئیں؟

اس کی آنکھیں پھر ڈبڈبانے لگیں۔ مرتے دم آخری ہچکی سے پہلے آمنہ نے دونوں کو التجا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کا ساتھ قبول کرنے کا وعدہ لیا تھا۔

اور اب۔

اب کچھ ہی وقت جاتا تھا جب اس وعدے کی تکمیل ہونا تھی اور فارینہ اسی لمحے سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

جب آئندہ زندگی کا خیال آتا اپنی بوٹیاں نوچنے کو جی چاہتا تھا۔

کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی یا ہوئی تھی تو امی کے ساتھ ہی مرجاتی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

چالیسویں کے بعد خاندان کے لوگوں نے نکاح کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔

"تم لوگوں کا اس طرح بغیر کسی رشتے کے ایک گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ جب تک آمنہ تھیں تب دوسری بات تھی مگر اب تم لوگوں کا اس طرح رہنا اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے معیوب ہے پھر مرحومہ کی خواہش بھی یہی تھی کہ تم دونوں ایک بندھن میں بندھ جاؤ۔"

ایک بڑی بی نے بڑے تدبر سے دونوں کو بلوا کر سمجھایا تھا۔ فارینہ نگاہ جھکائے اضطراری انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی تاہم زرتاج بالکل خاموش تھے۔

فارینہ نے چور نگاہ سے ان کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر پتھریلی جامد کیفیت رقم تھی۔ وہ بہت سنجیدہ و متین دکھائی دے رہے تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی ایک بار پھر فارینہ کا ضدی دل بین کرنے لگا۔

"یا خدا! میں کس طرح ان کو قبول کروں گی۔ جنہیں کل "چاچو" کہتی تھی انہیں اب۔" وہ بے دردی سے لب کاٹ رہی تھی۔

"نہیں۔ یہ تصور ہی روح فرسا ہے۔ مجھے کچھ سوچنا ہوگا۔" وہ جھرجھری لے کر رہ گئی تھی۔

پھر جانے کیا سوچ کر اگلے روز بڑی مدت بعد وہ ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے۔" اس نے سر جھکا کر لرزیدہ لہجے میں کہا۔

زرتاج نے پلٹ کر نگاہ اس پر ڈالی۔ سیاہ لباس میں دوپٹہ اچھی طرح سر اور شانوں پر اوڑھے زرد چہرہ لیے وہ بڑی ملول نظر آرہی تھی۔

یہ وہ فارینہ تو نہیں تھی۔ جو ہنستی مسکراتی، شرارتیں کرتی اور ادھر ادھر کدکڑے لگاتی آمنہ کو ستاتی، ڈانٹ سنتی نظر آتی تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی تھی۔ غمزدہ، اداس، گھبرائی ہوئی اور دکھی۔ کہاں وہ ان کی آنکھوں میں اپنی شوخ ستاروں کی سی ناچتی چمکتی آنکھیں ڈالے پٹ پٹ بولا کرتی تھی اور کہاں اب وہ مستقل پلکیں رخساروں پر گرائے سر جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

"کہو کیا کہنا ہے؟" وہ نرمی سے گویا ہوئے ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، مگر وہ بدستور کھڑی رہی۔

"امی کی اس درجہ انہونی عجیب و غریب سوچ کا فلسفہ تو سمجھ نہیں سکی مگر ان کی آخری وصیت کو مانے بنا بھی گزارا نہیں۔ امی نے غالباً" میرے مستقبل کے تحفظ کے لیے ایسا سوچا ہوگا۔ ان کی سوچ اپنی جگہ مگر میں سمجھتی ہوں کبھی بھی آپ کو اس روپ میں قبول نہیں کرپاؤں گی اور شاید آپ بھی ایسا نہ کرسکیں۔ میرے لیے یہ تصور ہی روح فرسا ہے آپ یقیناً میری کیفیات سمجھتے ہوں گے۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس تعلق کو استوار کرنے سے قبل آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

وہ بہت غور سے اس کا سینے میں ڈوبا چہرہ دیکھ کر اس کے جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔

نہ جانے اس میں کیسے ہمت آگئی تھی کہ وہ اتنا کچھ ایک سانس میں کہہ گزری تھی۔

"تم کہو۔ تمہارے جذبات کا احترام کرنا میرا فرض ہے۔" وہ نرمی سے بولے۔

"آپ اس تعلق کو صرف نام کی حد تک قائم رکھیں گے۔" اس کی عجیب و غریب شرط پر وہ حیران رہ گئے۔ "میں امی کی وصیت اور خاندان والوں کی نظروں میں سرخرو ہونے کے لیے آپ سے تعلق جوڑوں گی اور گھر کے اندر اس تعلق کا کوئی اطلاق نہیں ہوگا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی کے ساتھی کے لیے دوسری عورت کا انتخاب کرلیں مجھے صرف آپ۔ نام کا سہارا درکار ہے۔ باقی سب کچھ ویسا ہی ر

جیسا اب ہے۔ کیونکہ سچی بات یہ ہے کہ مجھ سے منافقت نہیں ہوتی میں آپ کو دوسرے روپ میں قبول نہیں کرپاؤں گی۔"

اس نے بات مکمل کرکے درزیدہ نگاہ ان پر ڈال کر ان کے تاثرات جاننے چاہے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ پیشانی پر تفکر کی لکیریں بچھی ہوئی تھیں پھر وہ سوچتے قدموں سے اٹھ کر اس کے سامنے آئے اور بہت ہولے سے اس کا کندھا تھپتھپا کر پھوار سے لہجے میں مخاطب ہوئے۔

"تم پریشان نہ ہو۔ سب کچھ ویسا ہی رہے گا جیسا اب ہے۔ تم اکیلی نہیں ہو اور نہ لاوارث ہو۔ میں تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہوں۔ تم بے فکر ہو کر اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ میرے لیے بھی بھابی کا یہ فیصلہ ایک دھچکے سے کم نہیں ہے تاہم میں تمہارے احساسات کا مکمل پاس کروں گا۔ تمہیں یہ سب کچھ مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں خود بھی اس بات کو سمجھتا ہوں۔ جاؤ تم آرام کرو اور ہاں کل سے کالج جانا شروع کردو۔"

وہ کافی حد تک ہلکی پھلکی ہوگئی۔

♣ ..... ♣ ..... ♣

"ارے بھئی! گھر تو تم نے بڑا مین ٹین رکھا ہوا ہے۔ لگتا ہے بڑی ایکسپرٹ ہوگئی ہو۔" عالیہ طائرانہ نظر سے گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ فارینہ ہنس پڑی۔

"اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ سٹنگ وغیرہ وہی ہے جو امی نے کی تھی اور صفائی ماسی کرکے جاتی ہے۔"

"اور کھانا کون بناتا ہے؟"

"سالن میں بنالیتی ہوں۔ روٹی مجھے شروع سے ہی پکانی نہیں آتی' وہ سامنے مارکیٹ سے منگوالیتی ہوں تندور سے۔ دو بندوں کا کھانا ہی کیا۔" وہ بے پروائی سے صوفے پر بیٹھتی ہوئی سر جھٹک کر بتا رہی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہاں بیٹھ کر کھاتے ہو۔ بیڈ روم میں یا ٹیبل پر؟" عالیہ نے شوخی سے آنکھیں نچائیں۔

"ایسے تکلفات ہم میں نہیں چلتے۔" وہ بدستور بے پروائی سے کہہ رہی تھی۔ "میں سالن بنا کر رکھ دیتی ہوں۔ وہ روٹی لے آتے ہیں یا میں کسی بچے کو بھیج کر روٹیاں منگوالیتی ہوں اور کچن میں کھڑے کھڑے کھا کر اپنے کمرے میں آجاتی ہوں۔ وہ یونیورسٹی سے آتے ہیں تو خود ہی کچن میں جاکر سالن اور روٹی ٹرے میں رکھ کر ٹیبل پر یا اپنے کمرے میں کھانا کھالیتے ہیں۔"

"کیا؟" عالیہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ "کیسے میاں بیوی ہو تم جو اکٹھے کھاتے پیتے نہیں' کہیں آتے جاتے نہیں اور گھر میں بھی اکٹھے نہیں رہتے۔" وہ بحر تحیر میں غوطے کھا رہی تھی۔

فارینہ آرام سے بیٹھی رہی۔ عالیہ اس کی بہت قریبی دوست تھی اور اس کے سامنے پردہ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

"بس دیکھ لو۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"دو ماہ ہوگئے ہیں تمہاری شادی کو مگر تم میں کہیں سے بھی کوئی چینج نہیں آیا۔ لگتی ہی نہیں ہو کہ شادی شدہ ہو۔ یار معاملہ کیا ہے فری۔" عالیہ گہری نظروں سے اسے جانچ رہی تھی۔ وہی کھلنڈری سی' سادہ مزاج' بے پروا سی فارینہ تھی۔ لان کے سبز پرنٹ کے کپڑوں میں کسی زیور سے بے نیاز چیونگم چباتی ہوئی وہ قطعی ایک ذمے دار شادی شدہ خاتون نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ شادی کے بعد لڑکی کی نشست و برخاست' بول چال اور انداز و اطوار میں واضح تبدیلی آجاتی ہے۔ ایک نزاکت' نرمی' جھجک' حجاب اور رکھ رکھاؤ آجاتا ہے پھر کچھ جسمانی تبدیلیاں بھی ناگزیر ہوتی ہیں مگر وہ تو اسی طرح بے پروا' نٹ کھٹ اور بے نیاز تھی۔

"معاملہ کچھ نہیں۔" وہ کپڑے جھاڑ کر اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔ "اس شادی کی اہمیت محض نمائشی اور کاغذی ہے۔ معاشرتی تحفظ کی خاطر میرا نام ان سے جڑا ہے اور بس۔"

"فاری۔" عالیہ دل پہ ہاتھ رکھے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ "گو کہ میری شادی نہیں ہوئی ایک بات بہرحال جانتی ہوں کہ شادی کے بعد عورت کی زندگی کا ہر رخ شوہر کی معمولات زندگی سے مربوط ہوجاتا ہے اور عورت کو سرتاپا شوہر کے رنگ میں ڈھلنا

پڑتا ہے۔"

"وہ وہاں ہوتا ہوگا جہاں شادیاں حسب مراتب ہوتی ہیں۔" فارینہ کا لہجہ زہریلا ہونے لگا۔ "جہاں رشتے ہی بدل جائیں وہاں نباہ سے فائدہ۔" اس کی آنکھوں میں سیال مادہ پگھلنے لگا تھا۔

عالیہ چند لمحے بغور اسے دیکھتی رہی پھر کندھا تھپتھپایا۔

"اچھا چلو چھوڑو۔ آؤ کھانا کھائیں۔" تاہم وہ سوچ چکی تھی کہ کسی مناسب موقع پر فارینہ کو سمجھائے گی۔

♣ ......... ♣ ......... ♣

"فارینہ!" وہ اپنے کمرے میں بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی جب ان کی بھاری سنجیدہ آواز کان پڑی۔

وہ چونک کر مڑی۔ زرتاج شادی کے بعد آج پہلی مرتبہ اس کے کمرے میں آئے تھے۔

"صبح عصمت خالہ کا فون آیا تھا۔ وہ اپنی ساس اماں بی کے ہمراہ عذرا کو یہاں بھیج رہی ہیں۔ عذرا کے پرچے ہو رہے ہیں اور اس کا سینٹر ہمارے گھر سے بہت قریب ہے۔ عذرا امتحانات کے دوران ہمارے ہاں رہے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کتراتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ اس نے ابھی تک انہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ جب سے رشتے کی نوعیت بدلی تھی وہ ان سے بہت بچنے لگی تھی۔ ایک عجیب سا جھجک آمیز احساس اسے راستہ کترا کر گزرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

"اور تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" وہ چند قدم کا درمیانی فاصلہ طے کر کے اس کی اسٹڈی ٹیبل کے بالکل قریب آن کھڑے ہوئے۔ "امتحانی پرچوں کے لیے داخلہ فارم کب بھیجے جا رہے ہیں؟" وہ اس کی پڑھائی کے معاملے میں بہت فکرمند رہتے تھے۔ معاً فارینہ کو یاد آیا فارم تو وہ کل کلرک آفس سے لے آئی تھی اور اس پر سرپرست اعلیٰ کے دستخط کروانے تھے۔

"فارم مل گئے ہیں۔ آپ کے سائن رہ گئے ہیں۔ باقی مکمل ہے۔" اس نے میتھ کی کتاب سے فارم نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

"لاؤ پین دو۔" وہ فارم ٹیبل کی سطح پر پھیلاتے ہوئے اس پر جھک گئے۔ اس طرح کہ کرسی پر بیٹھی ہوئی فارینہ سے محض آدھ پون فٹ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ ان کے لباس سے پھوٹتی دھیمی دھیمی سحر انگیز خوشبو فارینہ کے نتھنوں سے ٹکرائی تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔

عجب مست کر دینے والی مدہوش کن خوشبو تھی۔

وہ اس خوشبو سے انجان نہیں تھی۔ زرتاج ہمیشہ سے یہی پرفیوم استعمال کرتے تھے وہ سیکڑوں مرتبہ ان کے قریب آ کر ان کے گلے لگ کر اس خوشبو کو محسوس کرتی رہی تھی۔ ان کا لمس، ان کی مخصوص خوشبو، ان کی آنکھوں کی چمک اور نرم مسکراہٹ۔ کچھ بھی تو اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

وہ ان سب سے آشنا تھی۔ مگر اب۔

اب رشتے کی نوعیت نے ان سب مانوس احساسات کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

اسے لگا جیسے وہ کسی اجنبی مرد کے قریب آئی ہو۔ یہ وہ زرتاج صدیقی تو نہیں تھے جنہیں وہ سرتاپا جانتی تھی۔ جن کی پرحرارت نرم آغوش اور مشفقانہ پیار کے مظاہرے اس کے دل میں شانتی کے پھول کھلا دیا کرتے تھے۔

جن سے وہ لڑتی، جھگڑتی تھی۔

فرمائشیں کرتی تھی۔

چہلیں کرتی تھی۔

جن کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گھوما پھرا کرتی تھی۔

ہر چیز بدل گئی تھی اور یہ بدلتی ہوئی جذباتی کیفیات فارینہ کو بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھیں۔

یہ سب کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔ اتنا پیارا، اتنا بے تکلف اور قریبی رشتہ اس سے چھن گیا تھا اور جو اجنبی اس کے نام کے ساتھ جڑا تھا اس سے اپنائیت کی بجائے خوف، گھبراہٹ اور گریز کا احساس پھوٹتا تھا۔

"لو بھئی۔ سائن ہو گئے ہیں۔" انہوں نے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوتے ہوئے فارم اس کے ہاتھ میں

تھمایا تو وہ چونکی تھی۔

"فارینہ!" زرتاج بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ گالوں کے گلاب مرجھائے ہوئے سے تھے، آنکھوں میں اداسی اور چہرے پر بے رنگی سی جھلک رہی تھی، سنہری زلفیں حسب معمول شانوں، گردن اور گالوں پر جھول رہی تھیں۔

"کیا بات ہے گڑیا! کوئی پریشانی ہے کیا؟" انہوں نے اپنے سابقہ اپنائیت بھرے انداز میں اس کے بالوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"کک...... کچھ نہیں۔" وہ کچھ سمٹ سی گئی تھی۔

"کوئی بات تو ہے۔ تم اتنی خاموش کیوں رہنے لگی ہو۔ نہ پہلے کی طرح فرمائشیں، نہ باہر جانے کے لیے اصرار، نہ شرارتیں، اتنی گم صم کیوں ہوگئی ہو؟" وہ بدستور نظریں اور سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔ ان کا پرانا لب ولہجہ زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے۔ کوئی ناراضگی یا شکوہ؟" انہوں نے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

ان کی انگلیوں کے گرم لمس سے گھبرا کر فارینہ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے زرتاج کو اپنے موجودہ رشتے کی نوعیت کا ادراک ہوا۔ یہ قربت بہت محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے بوکھلا کر ہاتھ ہٹایا اور پیچھے ہوگئے۔

"آؤ فارینہ! آج باہر چلتے ہیں۔ کمرے میں پڑے پڑے تم بیزار ہوگئی ہوگی۔" وہ خود پر قابو پا کر سادہ لہجے میں بولے۔

"نہیں۔ آج نہیں۔ میں کچھ بزی ہوں۔" فارینہ نے بہانہ بنایا۔ زرتاج نے دوبارہ اصرار نہیں کیا اور کندھے اچکا کر باہر نکل گئے۔

♣ ——— ♣ ——— ♣

بی اماں اور عذرا کی آمد سے وہ بہت خوش تھی کہ چلو اس اجاڑ سنسان ماحول میں کچھ خوشگوار تبدیلی آئے گی مگر اس وقت اس کی خوشی کافور ہوگئی جب بی اماں نے اسے دیکھ کر حیرت سے ناک پر انگلی رکھ لی۔

"اے لو۔ ارے بٹی! یہ تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔ بھلا ایسے پھرتی ہیں شادی شدہ لڑکیاں۔ نہ کپڑا لتا، نہ زیور پھول، سر جھاڑ منہ پہاڑ پھر رہی ہو۔ اے خدانخواستہ! کیا زرتاج میاں تمہیں خوش نہیں رکھتے؟" اور ان کے واویلا مچانے پر فارینہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ "قہراً" و "جبراً" وہ کمرے میں جا کر تیار ہونے لگی۔

گہرے نیلے کامدار جھلملاتے سوٹ میں کندن کا سیٹ پہن کر ہلکا سا میک اپ کرنے کے بعد جب وہ دوبارہ ان کے سامنے آئی تو بغور جائزہ لے کر بی اماں کو کچھ چین پڑا۔

زرتاج اس کی گت بننے پر خاصے محظوظ ہوئے تھے۔ اس طرح تیار ہو کر وہ واقعی ارمانوں بھری بیاہتا لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

رات کو بڑی اماں اور عذرا کے لیے سیٹ کیا ہوا کمرا دکھانے کو وہ انہیں لیے راہداری میں آئی تو فارینہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے عذرا نے پوچھ لیا۔

"یہ کس کا کمرا ہے فری؟"

"یہ میرا ہے۔"

"ہائیں۔" بڑی اماں نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے اسے گھور کر تعجب سے دیکھا۔

"تو کیا تم زرتاج میاں کے کمرے میں نہیں سوتی ہو؟"

فارینہ کے چہرے پر سرخی سی ابھر آئی۔ عجب طرح سے پھنس گئی تھی۔

"اس کے کہنے کا مطلب ہے کہ یہاں پڑھائی لکھائی کرتی ہے۔ مجھے روشنی کی عادت نہیں ہے اس لیے پڑھنے کے لیے کچھ دیر کو اس کمرے میں چلی آتی ہے۔"

زرتاج نے بروقت مداخلت کرکے اس کی جان بچائی تھی تاہم اندر سے وہ کچھ پریشان سے ہو چلے تھے۔ بڑی اماں کی جہاندیدہ نظروں سے وہ کیونکر بچ سکتے

بتھیں۔

"اچھا اچھا۔" بڑی اماں کو کچھ اطمینان ہوا۔

"خیر اب تو کافی رات بیت گئی ہے۔ آج نہ کتابیں لے کر بیٹھ جانا۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ یوں بھی لڑکیوں کا پڑھنا پڑھانا شادی سے پہلے تک ہی ہوتا ہے۔ جب شادی ہو گئی تو پھر پڑھائی کی اہمیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ خیر سے اب تم گھر والی ہو۔ اپنے میاں کا خیال رکھا کرو اور دیکھو میں آئندہ تمہیں یوں نہ دیکھوں خود سے بے پروا۔"

بڑی اماں خاندان کی بزرگ تھیں۔ وہ اس طرح کے احکامات لاگو کرنے کا حق رکھتی تھیں۔ فارینہ چپ چاپ سر جھکائے رہی سوائے جی جی کہنے کے اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"جاؤ پھر! کھڑی دیکھ کیا رہی ہو۔ تمہارے میاں کمرے میں جا چکے ہیں۔ تم بھی جاؤ۔ ارے لڑکیاں تو سو سو ناز اٹھاتی ہے اپنے خاوندوں کے۔ تم کیسی ٹھس سی لڑکی ہو۔"

بڑی اماں نے کچھ اس انداز میں لتاڑا کہ فارینہ گڑ کر رہ گئی۔ عافیت اسی میں جانی کہ زرتاج کے کمرے میں چلی جائے۔

زرتاج نائٹ ڈریس نکال کر ڈریسنگ روم جانے کے لیے مڑے تھے جب دہلیز پر سر جھکائے انگلیاں مروڑتی لرزتی کانپتی گومگو کے عالم میں کھڑی آراستہ وپیراستہ فارینہ پر نگاہ پڑی۔ اس کی بے بسی کی کیفیت محسوس کر کے وہ بے ساختہ مسکرا دیے۔

"آؤ فارینہ! مجھے علم ہے بڑی اماں کی تلوار مار کہ نظروں سے بچنے کے لیے تمہیں یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے۔ کم از کم جب تک وہ موجود ہیں تب تک ہمیں یہ ڈھونگ رچانا ہی ہوگا۔ وگرنہ پول کھلنے کا خدشہ ہے۔ بات خاندان میں پھیل گئی تو بہت سبکی ہوگی۔ لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے اس لیے مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ کچھ روز کے لیے تم یہ زحمت گوارا کر لو۔" ان کے سنجیدہ طرز عمل نے کسی حد تک فارینہ کو سنبھالا دیا۔

وہ کمرے کے اندر آ گئی۔

"مگر آپ کو جو تکلیف ہوگی؟" وہ ان کی پرائیویسی میں دخل اندازی پر بہت خفت کا شکار تھی۔ سر مسلسل جھکا ہوا تھا۔

"مجھے تکلیف؟ ارے نہیں۔ بلکہ عین راحت کی بات ہوگی۔" بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا پھر وہ شرمندہ سے ہو گئے اور اپنی بات کا تاثر مٹانے کو کپڑے چینج کرنے کے لیے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔ واپس آئے تو اسے کسی سوچ میں گم بیڈ کے کنارے بیٹھے ہوئے پایا۔

"افسوس کمرے میں صرف ایک ہی بیڈ ہے۔ ایسا کرو تم کمبل لے کر سو جاؤ میں قالین پر چادر بچھا کر سو جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں۔" وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"آپ اپنے بیڈ پر سوئیں۔ میں نیچے سو جاؤں گی۔"

"جی نہیں۔ آپ کو اوپر ہی سونا ہوگا۔" انہوں نے اس کے شانوں پر دباؤ ڈال کر دوبارہ بیڈ پر بٹھا دیا۔

"چلو ایسا کرتے ہیں کچھ باتیں کر لیتے ہیں۔ مجھے تو ابھی نیند نہیں آ رہی اور تم بھی جلدی سونے کی عادی نہیں ہو۔ کیا خیال ہے؟" وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے سکون سے اس سے پوچھ رہے تھے۔ فارینہ نے سر ہلا دیا۔

"عذرا! بی۔ ایڈ کر رہی ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ بی۔ اے کے بعد کیا کرو گی؟" وہ یونہی پوچھ بیٹھے۔

"میں بس۔ بی۔ اے کے بعد گھر بیٹھوں گی۔" اس کے جواب پر انہیں تعجب ہوا۔

"ایک زمانے میں تمہارا ارادہ تھا سی۔ ایس۔ ایس کرنے کا۔ وہ کیا ہوا؟"

"اب دل نہیں چاہتا کتابوں کی شکل دیکھنے کو۔" وہ کوفت زدہ سی تھی۔

"چلو جیسی تمہاری مرضی۔" انہوں نے اس کی اکتاہٹ کے پیش نظر بات ختم کر دی۔ پھر اچانک انہیں کچھ یاد آ گیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔ اتنی اہم بات بھولے ہوئے ہوں۔" وہ کھڑے ہو گئے اور الماری کی طرف بڑھے۔

"کچھ دن پہلے میں نے تمہارے لیے چند چیزیں لی تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دینے کی نوبت نہیں آئی۔"

وہ کچھ ڈبے ہاتھ میں پکڑے دوبارہ اس کے پاس آبیٹھے اور ان کو کھولنے لگے۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

ڈائمنڈ کا نازک سا سیٹ اور سبز بیش قیمت ساڑھی تھی۔

"فارینہ! اگر میں فرمائش کروں۔ اس سیٹ کو پہن کر دکھانے کی تو مان لوگی؟" ان کے نرم سے مان بھرے انداز پر وہ کیوں نہ مانتی خاموشی سے کندن کا سیٹ اتارنے لگی۔

"لیجئے۔ پہنا دیں۔" اس کے سادگی سے کہنے پر زرتاج کچھ ہچکچا سے گئے۔ خود پہنانے میں ایک عجیب سی جھجک حائل تھی تاہم اس کی بات نہیں ٹالی۔ کانوں کے ٹاپس فارینہ نے خود پہنے تھے۔ باقی گلے کا لاکٹ اور ہاتھ کی انگوٹھی وہ پہنانے لگے۔

اس کے ڈھیر سارے گھنگھریالے گھنے بال سمیٹ کر جب وہ لاکٹ پہنا کر اس کا ہک بند کر رہے تھے تو نہ جانے کس طرح اس کی کچھ بل دار لٹیں ان کے گریبان کے بٹن میں پھنس گئیں۔ دونوں بے خبر تھے۔ وہ تو جب لاکٹ کا ہک بند کر کے زرتاج پیچھے ہٹے تو ایک جھٹکے سے فارینہ الجھ کر ان سے ٹکرائی اور اس کا چہرہ ان کے سینے سے مس ہو گیا۔

"اوہ۔" دونوں اس غیر متوقع ٹکراؤ سے دم بخود رہ گئے۔

فارینہ کا تو سارا خون گالوں پر سمٹ آیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" اپنی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی زرتاج نے معذرت خواہانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جلدی سے اس کی لٹیں اپنے گریبان کے بٹن سے چھڑائیں۔ بال آزاد ہوتے ہی فارینہ تیزی سے پرے ہو گئی تھی۔

زرتاج مبہوت سے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس خوبصورت حادثے نے ان کے خفتہ جذبات کو برانگیختہ کر دیا تھا۔ ہار سنگھار کیے سجی سنوری حسین جوان لڑکی جس کی پور پور پر ان کا حق تھا کمرے کی تنہائی میں رات کے اس پہر ان کے صبر و ضبط کو للکار رہی تھی۔ خود پر ہزار اعتماد ہونے کے باوجود ان کا ایمان ڈگمگانے لگا۔ تاہم وہ خود پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔

فارینہ بھی سحر زدہ سی بیٹھی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک مرد کی حیثیت سے ان کے اتنا قریب آئی تھی اور یہ قربت شعلہ فشاں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سے کیف پرور احساس کو بھی جنم دے رہی تھی۔

"اف۔ آگ اور پٹرول کا یہ کھیل کیا رنگ دکھائے گا؟" زرتاج اپنی پیشانی مسلتے ہوئے اس کے قریب سے اٹھ گئے۔ تمناؤں کی موجیں ضبط کے ساحل سے ٹکرا کر صبر کی چٹانیں پاش پاش کرنے کو تھیں۔

وہ کہاں تک بند باندھتے۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" فارینہ حیران نظروں سے ان کا سرخ چہرہ' لال ڈوروں والی براؤن آنکھیں اور تیز ہوتا تنفس دیکھ کر گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

انہوں نے ایک عجیب سی ٹٹولنے والی نگاہ اس پر ڈالی اور ناقابل فہم انداز میں مسکرائے۔

"اس کی ذمے دار بھی تم خود ہو۔"

"کیا مطلب؟" وہ خاک بھی نہ سمجھی۔ اس کی معصومیت جذبوں کی آگ کو مزید بھڑکانے لگی۔

"کیا سمجھاؤں مطلب مطالب تمہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر عجیب انداز میں متبسم ہوئے۔ ان کی ٹھنڈی سانسیں فارینہ کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"تم نہیں سمجھو گی اور اگر سمجھتی ہو تو اس سلسلے میں کچھ کرنے کی روادار نہیں ہو گی۔ مجھے یقین ہے۔ یہ آگ صرف میرا دامن جلانے کے لیے ہے۔ میری راتوں کی نیند اور دن کا چین چرانے کے لیے من میں روشن ہوئی ہے۔ تم تک اس کی آنچ کیسے پہنچ سکتی

ہے۔" وہ کف افسوس مل رہے تھے۔ فارینہ احساس ندامت کا شکار ہونے لگی۔ یہ میری وجہ سے پریشان ہیں میری ذات ان کے سکھ چین کے رستے میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔

"میں نے تو آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ اپنے لیے کوئی اچھی سی لڑکی منتخب کرکے اس سے شادی کرلیں۔ آپ میری خاطر اپنے آپ کو مشکل میں نہ ڈالیں۔" اس نے التجا کی۔

"وہ اچھی سی لڑکی میری زندگی میں آچکی ہے۔" ان کے دھیمے لب ولہجے میں چھپا اعتراف تھا فارینہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ زرتاج نے کہہ کر اس کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔

فارینہ کو چکر سا آگیا۔

"مگر دیکھیے۔ میں' میں اس طرح آپ کا ساتھ قبول نہیں کرسکتی۔" وہ ہراساں نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا لہجہ کانپ رہا تھا۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے فارینہ!" وہ اس کی طرف مڑے اور ہلکے سے اس کے شانے تھام لیے۔ ان کے ہاتھوں کی تپش فارینہ کے اعصاب میں رچنے لگی۔ وہ کسمسانے لگی۔

"ہمیں حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔ میرا اور تمہارا رشتہ نئے روپ میں ڈھل کر مزید مضبوط ہوگیا ہے۔ رشتے ٹوٹا نہیں کرتے بس ان کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ میں اب بھی تمہیں اتنا ہی عزیز رکھتا ہوں جتنا پہلے تم میرے قریب تھیں۔"

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا یاد کیجیے۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ "اور مجھے یقین ہے آپ اپنی زبان کا پاس رکھیں گے۔"

زرتاج نے گہری سانس لی پھر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگے۔

"ہر وعدہ پورا کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو فارینہ۔ اس طرح کب تک چلے گا۔ یوں دور دور رہ کر ہم اپنے آپ کو سزا کیوں دیں۔"

وہ تحمل سے اسے سمجھا رہے تھے مگر فارینہ ضدی پنے میں اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔

"میں مجبور ہوں پروفیسر صاحب۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"اور میں اپنے جذبوں کے ہاتھوں مجبور ہوں۔" انہوں نے اس کے شانوں پر ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر سلگتے والے لہجے میں کہا۔ "فارینہ! میں نہیں جانتا۔ بعض جذبوں پر انسان کو قابو کیوں نہیں رہتا؟" ان کا لہجہ بکھر رہا تھا۔ "خدا جانے تم کبھی ایسے حالات سے گزری ہو یا نہیں مگر میں کچھ عرصے سے بڑے کرب میں مبتلا ہوں۔ یہ اعصاب شکن جنگ میرے لیے ناقابل برداشت بنتی جارہی ہے' دل کا درد دوا چاہتا ہے فارینہ!"

انہوں نے آہستگی سے اسے اپنی طرف سمیٹ لیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا آؤ مل کر باتیں کرتے ہیں مگر جانے کیوں میں سب کچھ بھولتا جارہا ہوں۔ میرے دماغ میں ایک دھند سی چھا رہی ہے۔ میرے سینے میں الاؤ دہک رہے ہیں۔ میں' میں شاید خود پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔ فارینہ! تم۔ تم پلیز مجھ سے دور ہوجاؤ۔ ورنہ عہد کی زنجیر ٹوٹ جائے گی۔ بلکہ میں کمرے سے باہر چلا جاتا ہوں۔ فکر نہیں کرو۔ تمہاری ذہنی وجذباتی کیفیت کے پیش جب تک تم نہ چاہو گی یہ تعلق کاغذوں تک ہی محدود رہے گا۔ تم آرام سے سوجاؤ۔"

وہ ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ کر سرخ تمتماتا چہرہ لیے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

فارینہ مبہوت سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ یہ سب کچھ کیا ہوگیا تھا آناً "فاناً"۔ ان کی ہیجان خیز قربت نے اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کرڈالا تھا۔ اپنے وجود سے شعلے اٹھتے محسوس ہورہے تھے۔

پھر وہ اپنے حواسوں میں لوٹ آئی۔ ان کے بستر پر دراز ہوکر کمبل اوڑھا اور لائٹ بجھادی۔ تکیوں اور کمبل سے زرتاج کی مخصوص خوشبو پھوٹ کر ان کے وجود کا احساس دلا رہی تھی۔

"خدایا۔ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟" وہ ساری رات کروٹیں بدل بدل کر سوچتی رہی۔

پروفیسر صاحب! کو چاہیے کہ وہ دوسری شادی کرلیں۔ وہ اپنی احمقانہ سوچوں کے تانے بانے بن رہی تھی۔

مجھ سے جوڑا گیا یہ نام نہاد بندھن سوائے ذہنی اذیت کے انہیں کیا دے سکتا ہے؟

دو چار روز بعد عالیہ آئی تو اس نے ان خیالات کا اظہار اس سے بھی کردیا۔

"ماشاءاللہ! کس قدر عقل مند خاتون ہو تم۔" عالیہ اس کی عقل پر ماتم کرنے لگی۔ "یار کہیں تمہاری کھوپڑی تو نہیں کھسک گئی۔" عالیہ اچھا خاصا ڈانٹ رہی تھی۔ "تمہیں تکلیف کیا ہے آخر؟ سیدھے سادے طریقے سے انہیں اپنا شوہر تسلیم کرلو۔ خود بھی سکھ سے رہو اور ان کو بھی خوش ہونے کا موقع دو۔" اس نے ہاتھ جھاڑ کر حل پیش کیا۔

"یہی تو مصیبت ہے۔ میں انہیں شوہر کے روپ میں برداشت نہیں کرسکتی۔" فارینہ نے ہاتھ ملے۔ "ان سے صرف ایک رشتہ تھا جو نکاح کی کاغذی کارروائی کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تھا۔"

"بے وقوف ہو تم۔ اصل رشتہ تو نکاح کے بعد تمہارا ان سے بنا ہے۔ اس سے پہلے تو وہ ایک طرح سے تمہارے لیے نامحرم ہی تھے۔ تمہارے ابو کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اس قدر دور پار کا رشتہ اور وہ بھی خونی رشتہ نہیں تھا۔ تمہارے لیے تو وہ غیر ہی تھے۔ تم انہیں چچا کی حیثیت سے عزت دیتی تھیں تو کیا ہوا۔ شادی طے ہونے سے پہلے چچازاد، خالہ زاد اور پھوپی زاد کزن بھی تو آپس میں بہن بھائی ہی ہوتے ہیں۔ اب یہ تو نہیں ہوتا کہ بچپن سے لڑکپن تک وہ ہیر رانجھا بنے رہیں۔ یہ تو جوان ہو کر اور وہ بھی ماں باپ کے اشارے کنائے سمجھنے کے بعد لڑکا یا لڑکی اپنے کزن کو دوسری نظر سے دیکھتا ہے۔ تم پہلے انہیں مقدس رشتے سے عزت دیتی تھیں اچھی بات ہے۔ اب شوہر کے رشتے سے تکریم کرو۔ آخر میاں بیوی کا رشتہ بھی تو بہت مقدس ہوتا ہے۔"

عالیہ کا انداز بہت سلجھا ہوا تھا۔

"اور میں تمہیں ایک بات کہوں ابھی تو تم دھڑلے سے انہیں دوسری شادی کا مشورہ دے رہی ہو مگر جب ایسی نوبت آگئی تو تم خود ہی سر پکڑ کر روؤ گی۔ ایسے احمقانہ خیالات کے اظہار سے پرہیز کیا کرو۔ اپنا ضدی پن اور بے وقوفی کے مظاہرے ختم کرو اور سیدھا سیدھا ان کے چرنوں میں جھک جاؤ۔"

عالیہ اس سرپھری، بے وقوف سی، زندی کو کھیل تماشا سمجھنے والی بھولی بھالی لڑکی کو طریقے سے سمجھا رہی تھی۔

"میں تو سچی بات کہوں گی پروفیسر صاحب کی ڈھیل سے ہی تم بگڑی ہو۔ انہوں نے شروع سے تمہیں سر چڑھا رکھا ہے۔ ان کی نرمی، حوصلے اور برداشت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر تم اس درجے من مانی کررہی ہو۔ میں تو حیران ہوں وہ بیچارے کس قدر رحمدل، صابر اور فرشتہ صفت انسان ہیں جو تمہیں اتنا کھلا چھوڑا ہوا ہے۔ جو دل میں آئے کرتی ہو۔ نہ گھر بار کی فکر نہ شوہر کا خیال ان سے کس قدر زیادتی کرتی ہو پھر بھی وہ تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ جبر نہیں کرتے۔ ان کے جذبات سے نہ کھیلو فارینہ! ورنہ پچھتاؤ گی۔ کیوں خوامخواہ کے وہموں میں اتنا اچھا وقت برباد کررہی ہو۔"

عالیہ خود تو چلی گئی مگر اپنے پیچھے اپنے الفاظ کی بازگشت چھوڑ گئی۔ وہ سوچوں میں الجھی عجب کشمکش کا شکار تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا اپنے بے کل ضدی دل کو کس طرح سمجھائے۔ اپنے خیالوں میں گم ہو کر اسے وقت گزرنے کا پتا نہیں چلا۔

زرتاج کی یونیورسٹی سے واپسی کا ٹائم ہوچلا تھا اور وہ اردگرد سے بے نیاز ان کے کمرے میں (اباں بی کے ڈر سے وہ دن کو بھی زیادہ تر ادھر ہی رہنے لگی تھی۔) بیڈ پر چت لیٹی چھت کے پنکھے کو گھورتی ہوئی، سوچوں کے جال میں پھڑپھڑا رہی تھی۔ لباس جگہ جگہ سے بے ترتیب ہورہا تھا، دوپٹہ جانے کہاں رکھ کے بھول گئی تھی۔ ایک فطری سی جھجک کے زیر اثر اب وہ ان کے سامنے دوپٹے کا خیال رکھتی تھی۔ البتہ ان کی غیر موجودگی میں حسب عادت ادھر ادھر ڈال کر بے

فکری سے رہا کرتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ ہاف سلیوز کی لان کی گہری براؤن پرنٹڈ شرٹ اور سفید چکن کی شلوار میں وہ بڑے گھریلو سے انداز میں بستر پر دراز تھی۔

وہ بریف کیس تھامے تھکے تھکے انداز میں کمرے میں داخل ہوئے۔ بریف کیس سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے لیے مڑے تو ایک دم بیڈ پر دراز فارینہ پر نگاہ پڑی۔ وہ ٹھٹک کر جہاں تھے وہاں رک گئے۔

ان کے دماغ میں جیسے آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھے اسی لمحے فارینہ کو ان کی آمد کا احساس ہوا۔ وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اچھل کر اٹھ بیٹھی اور بستر سے نیچے اتر آئی۔

"اوہ آپ کب آئے؟"

"ادھر آؤ۔" انہوں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔ وہ گم صم سی اپنی جگہ کھڑی رہی۔ جیسے قدم زمین میں گڑ گئے ہوں۔ وہ نیم دراز سے ہو کر گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ چہرہ تمازت سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"مم۔ میں آپ کے لیے چائے لے کے آتی ہوں۔" وہ جلد از جلد ان کی نگاہ سے اوجھل ہو کر اپنے حواس بحال کرنا چاہتی تھی مگر اسی لمحے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

ان کی آنکھیں بند تھیں اور جسم تپ رہا تھا۔ سانسوں میں بلا کی تپش فارینہ کو جھلسا رہی تھی۔ وہ گھبرا گئی۔

"آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔ شاید ٹمپریچر ہو رہا ہے۔" وہ فکر مند ہو گئی۔ وہ واقعی اپنے آپ میں نہیں لگ رہے تھے۔

"تم میرے پاس بیٹھی رہو۔ طبیعت خود بخود سنبھل جائے گی۔" ان کی آواز سے لڑکھڑاہٹ عیاں تھی۔

فارینہ نے پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر لرز کر رہ گئی۔ ان کی پیشانی آگ کی طرح دہک رہی تھی۔ "آپ کو تو اتنا بخار ہو رہا ہے۔ مجھے چھوڑیں۔ میں کوئی دوا تلاش کرتی ہوں یا پھر ڈاکٹر شجاع کو فون کر کے بلوا لیتی ہوں۔" فارینہ ان کی حالت دیکھ کر سراسیمہ ہوئی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی ان کی گرفت سے نکلنے کو مچلی۔

"درد خود بخود چلا جائے گا۔ اس کا علاج ڈاکٹری دوائیوں میں نہیں ہے۔ بس تم یونہی قریب بیٹھی رہو۔"

"مگر آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔" وہ بے تحاشہ فکر مند تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کی پریشانی نظر انداز کر کے گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سرگوشی سے کچھ اونچی آواز میں بولے۔ دفعتاً گرم گرم خون فارینہ کے رخساروں پر اکٹھا ہو گیا۔ اس نے محجوب ہو کر نگاہ چرائی تھی۔

"آپ بھی بنانے لگے۔ بھنگن بھی اس سے بہتر حلیے میں ہو گی۔" اس نے پرسوں شام سے لان کی یہ شرٹ پہن رکھی تھی جو اب اچھی طرح سلوٹ زدہ ہو گئی تھی۔

"جو دل میں بستے ہیں ان کا ہر روپ نظر کو بھاتا ہے۔ ہر رنگ میں دل کا قرار لوٹ لیتا ہے۔" وہ اسے اور قریب کرتے ہوئے دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔ اس کے گداز وجود کی ٹھنڈک ان کے تپتے ہوئے وجود میں جذب ہو کر ایک عجیب سی کیفیت جگانے لگی۔ وہ بے چین سے ہو گئے۔

"سنو فارینہ! جو چیز انسان کے سامنے نہیں ہوتی اس کے حصول کے لیے وہ اتنا بے قرار نہیں ہوتا لیکن جو چیز انسان کے پاس ہو اور وہ اسے حاصل نہ کر سکے تب اس کی بے قراری ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔" وہ ناقابل بیان اضطراب کا شکار ہو گئے تھے۔

"آپ تین چار دن سے اتنی بے آرام راتیں گزار رہے ہیں۔ بھلا لاؤنج کے قالین پر کیسے پرسکون نیند آسکتی ہے۔ مجھے بہت برا لگتا ہے کہ آپ اتنی تکلیف میں رات بسر کرتے ہیں اور میں۔ آپ ایسا کریں آج سے اپنے کمرے میں آجائیں۔ میں لاؤنج میں سو جایا کروں گی۔ کچھ دنوں کی تو بات ہے پھر بی بی

چلی جائیں گی تو یہ مسئلہ نہیں رہے گا۔" وہ اپنی دانست میں یہی سمجھی تھی کہ اتنے دنوں کی بے خوابی اور اماں بی کی تیغ صفت نظروں کے حصار سے ان کی طبیعت میں اضطراب در آیا ہے۔

"مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید بڑھ رہا ہے فارینہ!" انہوں نے بے چینی سے سر تکیے پر ادھر ادھر پٹخا۔ "میرے شب و روز میرے اپنے نہیں رہے ہیں۔ میں عجب اذیت ناک کیفیت میں گھر گیا ہوں۔ حالانکہ میں تو بڑا پریکٹیکل انسان تھا۔ کتابیں میرا مطمع نظر اور تعلیم و تدریس میرا مقصد حیات تھا۔ جذبات کی رسی کبھی ڈھیلی نہیں چھوڑی۔ اندر کے محسوسات کا کبھی ادراک ہی نہ ہوا تھا مگر اب۔ اب لگتا ہے جیسے میرے جذبات کی دنیا بدل گئی ہو۔ تم کو پانے کے بعد مجھے اپنی سابقہ مجرد زندگی بے رس اور بے مقصد لگنے لگی ہے۔ اپنی تنہائی پر ترس آتا ہے۔ میں تو اتنا قناعت پسند اور مطمئن بندہ تھا اور اب تو کہیں جی ہی نہیں لگتا۔ دن بھر جانے کیا کیا سوچتا رہتا ہوں اور رات آتی ہے تو گویا ایک بلا آن وارد ہوتی ہے۔ لمحہ لمحہ تڑپتے تڑپتے آنکھوں میں رات کٹ جاتی ہے۔ فارینہ آپ کوئی حل سوچو۔ اب مجھ سے اس طرح نہیں رہا جاتا۔ کب کے سوئے ہوئے آگ جذبے جاگ اٹھے ہیں اور اس آگ کو بجھانے کے لیے مجھے تمہارا وہ قرب چاہیے جو سکون عطا کرسکے۔"

فارینہ خاموش بیٹھی بت بنی ان کی بات سن رہی تھی۔

"تم دل میں سوچتی ہوگی بظاہر اتنا شریف، سوبر اور سنجیدہ نظر آنے والا شخص بباطن کس قدر جذباتی ہے مگر فارینہ! میری خطا یہ ہے کہ میں بشر بن کر پیدا ہوا ہوں۔ مجھ میں فرشتوں کی صفات نہیں آسکتیں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا تم سے کیا کہوں، کیا بولوں۔ بھلا آئینے کو بھی آئینہ دکھانے کی ضرورت ہے۔"

"آپ ایسا نہ کہیں۔" فارینہ کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔ "آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ فرشتے آپ سے زیادہ اچھے تو نہیں ہوں گے۔" اس کی معصومانہ عقیدت مندی میں وہی پرانی اپنائیت آمیز رنگوں کی دھنک نمایاں تھی۔

"میں نے کبھی اپنے آپ کو فرشتہ نہیں سمجھا۔ فارینہ میں آدمی ہوں۔ کمزور، مجبور اور بے بس آدمی۔" وہ کرب سے گویا ہوئے۔ "میں بھی غلطیاں کرسکتا ہوں۔ مجھ سے بھی گناہ سرزد ہوسکتے ہیں۔ فارینہ! تم مجھے اس جنجال سے بچالو۔ مجھے بد عہدی کی زنجیروں سے آزاد کردو۔" وہ خود سے بے گانہ ہوکر مجنونانہ انداز میں اس پر جھکے۔ اس نے جلدی سے چہرے کا رخ موڑ لیا۔

"آپ کو کیا ہوگیا ہے پروفیسر صاحب؟" وہ روہانسی ہوکر بولی۔

"میں پاگل ہوگیا ہوں۔ یہی کہنا چاہ رہی ہو ناں۔"

"آپ...... آپ......" وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ "آپ مجھے اس روپ میں بالکل اچھے نہیں لگتے۔ میں نے آپ کو بہت اعلیٰ مقام دیا تھا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

معاً" زرتاج کو ہوش آگیا۔ اس کے روہانسے لہجے اور آنسوؤں نے ان کے تپتے ہوئے جذبات پر برف ڈال دی۔ انہیں ایسا لگا جیسے ان کے اندر بھڑکتا آتش فشاں یکبارگی گلیشیر بن گیا ہو۔ ان کے ہاتھوں کی حرکت رک گئی۔ دوسرے لمحے انہوں نے آہستگی سے اسے الگ کرکے کروٹ بدل لی اور تکیوں میں منہ چھپالیا۔

فارینہ سٹپٹا کر باہر نکل گئی تھی۔

رات تک ان کا بخار مزید تیز ہوگیا۔ اماں بی اور عذرا ابھی فارینہ کے ساتھ ان کی تیمارداری کے لیے کمرے میں بستر کے آس پاس موجود تھیں۔ ڈاکٹر شجاع کو بلوالیا گیا تھا۔

ان کی حالت دیکھ کر ایک لمحے کو شجاع بھی گھبرا گیا۔

"ان کا بی پی خطرناک حد تک ہائی ہو رہا تھا۔ خیریت تو ہے۔ کیا گھر میں کوئی ٹینشن ہے بھابی!

خدانخواستہ کوئی سانحہ تو نہیں ہوگیا؟"
"نہیں۔ نہیں۔" فارینہ نے شدومد سے انکار میں سرہلایا۔ وہ خوفزدہ سی ہوگئی تھی۔
"پھر ایسی کیا بات ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو؟" اس نے بے تکلفی سے زرتاج کو جھنجوڑا۔
"خوامخواہ میرے گھروالوں کو مت دہلاؤ۔ اپنی منحوس صورت سمیت تشریف لے جاؤ۔" زرتاج نے بازو آنکھوں پر رکھ کر کہا۔
"اور تو ان حالوں میں پڑا رہا تو سیدھا اوپر تشریف لے جائے گا۔"
"ہائے۔ اللہ نہ کرے۔" فارینہ نے بے ساختہ کلیجہ تھام لیا۔ چہرے کا رنگ اڑنے لگا تھا۔ شجاع کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا تو شرمندہ ہوگیا۔
"معاف کیجئے گا بھابی! میری زر سے بہت بے تکلفی ہے بلکہ دشمنی کی حد تک دوستی ہے اسی لیے الٹا سیدھا بول گیا۔ آپ کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔ میں نے جملہ اس کی مریضانہ غیرت کو للکارنے کے لیے کہا تھا۔" شجاع سر کھجا کر مسکرایا تو فارینہ کی جان میں جان آئی۔
"یوں بھی اگر حقیقت میں ایسا ہوجائے تو بھی کیا فرق پڑے گا۔" زرتاج نے بازو ہٹا کر کن انکھیوں سے فارینہ کو دیکھا۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔
"بکواس نہیں کراوئے فلمی ہیرو۔" شجاع نے ایک دھپ رسید کی۔ "یہ دوائی لکھ دی ہے۔ استعمال ضرور کرنا۔ بھائی! اگر یہ انکار کرے تو بے شک زبردستی حضرت کے حلق میں انڈیل دیجئے گا۔ اللہ حافظ!"
"آپ کے لیے سوپ لاؤں؟" شجاع کے جانے کے بعد عذرا نے بڑی یگانگت سے ان سے پوچھا۔
"نہیں۔ شکریہ۔" انہوں نے آہستگی سے انکار میں سرہلایا۔ "آپ پلیز جاکر اپنے پرچے کی تیاری کیجئے میں ٹھیک ہوں۔"
"آپ بیمار ہیں اور ہم چین سکون کی بنسری بجائیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" عذرا نے چمک کر اپنائیت سے کہا۔ "لائیں آپ کا سردبادوں۔" وہ بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھنے لگی۔
"ارے نہیں نہیں۔ پلیز یہ زحمت نہ کیجئے گا۔" انہوں نے گھبرا کر ہاتھ اٹھا کر عذرا کو روک دیا۔ "کیوں شرمندہ کررہی ہیں۔" وہ مزید بولے۔
"آپ محنت بھی تو بہت کرتے ہیں۔ اسٹوڈنٹس کو پڑھانا پھر مقابلے کی تیاری کرنا اور گھربار دیکھنا۔ تھک جاتے ہوں گے۔" عذرا ہمدردانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔
فارینہ چپ چاپ ایک طرف کھڑی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے عذرا کی اپنائیت آمیز مزاج پرسی چبھ سی رہی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ تاہم وہ اپنے احساسات کو کنٹرول کرکے باہر نکلنے لگی۔
"اے بچی۔ زرتاج کا بہت خیال رکھنا۔ اس کو بہت تیز بخار ہے۔ یہ نہ ہو کہ خود سو رہو۔ بیویاں تو خاوند کی معمولی سی بیماری پر اس کی پٹی سے لگ کے بیٹھ جاتی ہیں تم کیسی گھروالی ہو جو کٹی کٹی پھر رہی ہو۔ ارے تمہارا سہاگ ہے۔ تمہارے سر کا سائیں۔"
بڑی اماں جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھیں فارینہ کو چوروں کی طرح دبے پاؤں کمرے سے نکلتے دیکھ کر زرتاج کے سامنے ہی اسے کھری کھری سنانے لگیں۔ وہ پانی پانی ہوگئی۔ شجاع خود ہی دوا خرید کر دے گیا تھا اور عذرا بڑی توجہ سے زرتاج کو دوا کھلا رہی تھی۔ دوا کھانے کے بعد وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئے۔
"چلو میرے بچے۔ اب آرام کرو۔ انشااللہ جلد شفا ہوگی۔ آجاؤ عذرا بیٹی۔ کل تمہارا پرچا ہے۔ کچھ پڑھ لو۔ فارینہ! زرتاج بیٹے کے پاس موجود رہے گی۔ اے بچی کہیں سے تیل لاکر بچے کے سر کی مالش کردو۔ یا سردبادو۔"
بڑی اماں نے اٹھتے ہوئے فارینہ کو ہدایت نامہ جاری کیا تھا۔
بڑی اماں اور عذرا کے جانے کے بعد کمرے میں سناٹا چھاگیا۔
زرتاج نے نظر گھما کر دیکھا۔ وہ گومگو کے عالم میں

کمرے کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ دوپہر کے واقعے کے بعد بہت حد تک خود پر قابو پا چکے تھے۔ انہیں احساس ہوا تھا کہ بغیر کسی قبولیت کے انہیں فارینہ سے اس قسم کی جذباتی باتیں اور مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ پہلے ہی اتنی برگشتہ خاطر رہتی تھی اسے مزید پریشان کرنا اس پر ظلم کے مترادف تھا پھر وہ اتنی معصوم فطرت کی بھولی بھالی نازک سی لڑکی تھی اسے زندگی کی نزاکتوں کا کیا علم۔

مجھے افسوس ہے کہ تمہیں سونے کے معاملے میں آج تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ میری وجہ سے تم بستر پر نہیں سو سکو گی۔ ایسا کرو مجھے ذرا سا سہارا دے کر اٹھا دو میں نیچے قالین پر سو جاتا ہوں۔ تم یہاں بیڈ پر آجاؤ۔ دراصل چکر اتنے آرہے ہیں کہ خود سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہے۔"

ان کے لہجے میں بہت معذرت تھی۔ فارینہ کا دل کٹنے لگا۔

"آپ مجھے اور کتنا شرمندہ کریں گے۔ آپ کے احسانات مجھ پر ان گنت ہیں۔ کہاں تک میرے ناروا سلوک اور من مانیوں کو برداشت کرتے ہوئے صبر و ضبط کا سمبل بنے رہیں گے۔" وہ ایک دم ٹوٹ کر بیڈ کی پٹی پر سر رکھ کے زار و قطار رو پڑی۔

"ارے فارینہ! فارینہ پلیز۔" انہوں نے اپنے دائیں طرف سرہانے کے قریب سر اوندھائے دھواں دھار روتی فارینہ کا سر تھپتھپا کر گھبرائے ہوئے انداز میں پکارا۔

"پلیز! فارینہ۔ تمہارے آنسو مجھے گناہ گار کیے دے رہے ہیں۔"

"انہوں نے آہستگی سے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ دھیرے دھیرے اس کی سسکیاں مدھم پڑنے لگیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میری ذہنی پراگندگی کی وجہ سے تم کو ذہنی پریشانی اٹھانا پڑی۔ میں آئندہ تم سے کچھ طلب نہیں کروں گا۔"

"آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں بس۔" ان کی قمیص آنسوؤں سے تر بتر ہو گئی تھی۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" اس کی معصومانہ ضد پر انہیں بے ساختہ فارینہ کا بچپن یاد آگیا جب اسی طرح وہ اپنے پالتو جانوروں کی معمولی بیماری پر حواس کھو بیٹھتی تھی۔

"یہ دیکھو۔ میں تو اچھا بھلا ہوں۔" وہ اس کی پریشانی کم کرنے کے لیے اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بمشکل تمام اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"لو فارینہ۔ اب میں بالکل اچھا ہو گیا ہوں۔ اب تم مجھ سے باتیں کرو۔ میں سنتا ہوں ٹھیک ہے ناں۔ روتی کیوں ہو گڑیا۔"

ان کے لہجے کی اپنائیت فارینہ کا جگر چیر گئی۔ وہ پھر آبدیدہ ہونے لگی۔ آنسو روکنے کے لیے لب کاٹتی ہوئی سرخ گال اور سرخ آنکھیں لیے بکھرے بالوں والی فارینہ سیدھا ان کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

"بہت بچپنا ہے یار تم میں۔" وہ اس کے رخسار تھپتھپا کر مسکرائے۔

"میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔" وہ سر جھکا کر ہاتھ مروڑنے لگی۔

"کس بات کی معافی؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اسی بات کی۔" وہ سادگی سے بول گئی۔ وہ ہنس دیے۔

"تو اس کا مطلب ہے تم اپنا بچپنا ختم کرنے کے لیے میری مدد حاصل کرنے پر راضی ہو؟" وہ معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ فارینہ مکمل طور پر نروس ہو گئی۔

"آپ کا سر دبا دوں؟" وہ بات بدلنے کو بولی۔ ساتھ ہی ان سے پرے ہو گئی۔

"نہیں۔ رہنے دو۔ میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے ڈاکٹر شجاع کی دوا نے کام کر دکھایا؟"

"ان کی نہیں تمہاری دوا نے۔" وہ سرگوشی میں بولے۔

"میری دوا نے؟" وہ ہونق بن گئی۔
"ہوں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے کی تمہارے قرب کی ڈوز نے میری طبیعت پر خوشگوار اثرات مرتب کیے ہیں۔"
وہ حیا سے ٹوٹ سی گئی۔ نظریں قالین کو چھونے لگیں۔
"اور واضح کہا جاتا ہے کہ یہ دوا باقاعدہ ڈبل خوراک کی صورت میں ملتی رہے تو یہ مریض قلب بہت جلد شفایاب ہو جائے گا۔" اسے کمرے سے نکلنے کا ارادہ کرتے دیکھ کر وہ مزید شریر ہو گئے تھے۔
ان کا یہ روپ، یہ انداز گفتگو بڑا انوکھا تھا۔ قطعی مختلف اور دھڑکا دینے والا۔ وہ ہوا ہوئی تو پھر پلٹ کر نہیں دیکھا۔
صبح حیرت انگیز طور پر ان کی طبیعت ٹھیک ہو چکی تھی۔

♣ ——— ✱ ——— ♣

اس روز وہ لاؤنج میں ٹی وی کے آگے بیٹھی یونہی پروین شاکر کی کتاب "ماہ تمام" کے اوراق پلٹ رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ ایک شعر پر پڑی۔ اپنی معنویت کے اعتبار سے اسے بہت موزوں لگا۔

میں پانیوں کی مسافر، تو آسمانوں کا
ملاپ کیسے ہو دونوں میں، درمیاں ہے خلا

"ہاں اور یہی خلا دو طرفہ تعلقات کی راہ میں حائل ہو کر راستے دھندلا رہا ہے۔" اس نے کتاب ٹھپ کرتے ہوئے سوچا۔
"السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟" اسی اثناء میں زرتاج ادھر نکل آئے۔ وہ دوپہر آئے تو فارینہ، عالیہ کے ساتھ حرا کی مزاج پرسی کو گئی ہوئی تھی۔ حرا خرابی طبیعت کی بنا پر کافی دنوں سے کالج نہیں آرہی تھی۔ واپس آئی تو پتا چلا زرتاج کسی کام سے اپنے جاننے والے کے ہاں گئے ہیں شام تک لوٹیں گے اور اس وقت وہیں سے آرہے تھے۔
"کچھ نہیں۔ یونہی بس کتاب دیکھ رہی تھی۔" اس نے جواب دیا۔
"زرتاج بھائی! آپ چائے پئیں گے؟" اسی لمحے عذرا بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئی تھی۔ وہ آج کل ان کے بہت آگے پیچھے پھر رہی تھی۔
فارینہ کی خوامخواہ تیوریاں چڑھنے لگیں۔
"شکریہ عذرا! میں پی کر آرہا ہوں۔ البتہ فارینہ سے پوچھ لو۔" وہ بازو کی آستین اوپر چڑھاتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئے۔
"میں اس وقت چائے نہیں پیتی۔" فارینہ نے صاف انکار کر دیا۔
"آپ کے پیپرز کب ختم ہو رہے ہیں؟" زرتاج نے ٹی وی کے آگے بیٹھتے ہوئے کنٹرولر کے ذریعے آواز اونچی کر دی تھی۔
عذرا بھی وہیں بیٹھ گئی جس نے فارینہ کو اچھا خاصا تپا دیا۔ وہ جل کر اٹھ کھڑی ہوئی ارادہ کچن میں جانے کا تھا۔
"دو پرچے رہ گئے ہیں۔" عذرا نے مسکرا کر جواب دیا۔
"تمہارے کب شروع ہو رہے ہیں۔ بی۔ اے کے پیپرز؟" زرتاج نے ہونٹ چباتی رخ موڑے کھڑی فارینہ پر نگاہ ڈال کر سادگی سے دریافت کیا۔
"جب شروع ہوں گے تو پتا چل ہی جائے گا۔" اس نے دھیرے سے سپاٹ انداز میں جواب دیا اور باہر نکل گئی۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے بے رخی کے مظاہرے نے زرتاج کی آنکھوں میں چمکتے ستاروں کو بجھا دیا تھا۔
"ایسا کرتے ہیں پکنک منانے چلتے ہیں۔ عذرا کے پرچے ختم ہو گئے ہیں انہیں کچھ سیر و تفریح کی ضرورت ہو گی۔"
عذرا کے پرچوں کا اختتام ہوا تو رات کے کھانے پر زرتاج نے تجویز پیش کی۔
"اف آپ کتنے اچھے ہیں۔ میرے دل کی بات جان گئے۔" عذرا نے خوشی سے مٹھیاں بھینچ کر اشتیاق ظاہر کیا۔
"تمہارا کیا خیال ہے فارینہ؟" انہوں نے

خاموش بیٹھی فارینہ سے تائید چاہی۔
فارینہ کے ابرو کھنچ گئے۔ اسے ان کی پیشکش اور عذرا کی والہانہ قبولیت پر سخت طیش آرہا تھا۔ یہ محترمہ کون ہوتی ہیں ان سے فرمائش کروا کے گھومنے پھرنے والی۔ یہ حق تو میرا ہے۔
تمہیں اپنا حق یاد آگیا۔ معاً" اس کے اندر سے کوئی طنزاً" ہنسا۔ وہ بھونچکی رہ گئی۔ یہ جلاپے کا احساس بذات خود اس کے لیے حیران کن تھا۔ وہ کس دھڑلے سے انہیں خود دوسری شادی کے لیے زور دیا کرتی تھی پھر اب عذرا سے التفات کیوں ہضم نہیں ہو رہا۔
"ابھی تو تم دھڑلے سے انہیں دوسری شادی کا مشورہ دے رہی ہو مگر جب ایسی نوبت آگئی تو تم خود ہی اپنی حماقت پر سر پکڑ کر رو دو گی۔" معاً" اس کے کان میں عالیہ کی تنبیہہ اور پیشن گوئی گونجی۔
"کیا واقعی ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہے؟" وہ سر تھامے بیٹھی تھی۔
عذرا سے احساس رقابت کا جذبہ اتنی شدت سے بیدار ہوا تھا کہ وہ خود اپنی کیفیت پر دنگ رہ گئی تھی۔ شاید اپنی چیز پر دوسرے کا غاصبانہ قبضہ اسی طرح مشتعل کر ڈالتا ہے۔
اس نے تو کبھی زرتاج کو شوہر کی حیثیت نہیں دی تھی پھر یہ جلاپا یہ حاسدانہ جذبہ جو خالصتاً" شوہر پرست بیوی کے دل کی پیداوار ہوتا ہے یہ مجھ میں کیسے در آیا۔
کیا میں لاشعوری طور پر انہیں اپنا شوہر سمجھنے لگی ہوں؟ کیا احساس ملکیت کو تھیس لگنے پر مجھے ہوش آیا ہے؟
وہ خود پر جتنی حیران ہوتی کم تھا۔
عجب طرح سے دل کی کایا پلٹی تھی۔
جو احساس مدتوں نہ جاگتا اسے عذرا کی میٹھی میٹھی نظروں کے تیز اور قابو کرنے کی خواہش لیے ناز و ادا نے بیدار کر ڈالا تھا۔
اگلے روز وہ خاص طور پر عذرا کے لیے چھٹی کر کے پکنک منانے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ چھترباغ کا انتخاب کیا گیا تھا۔
ڈاکٹر شجاع اور اس کی فیملی کے علاوہ فارینہ کے اصرار پر عالیہ بھی ہمراہ تھی۔ خوب خوش گپیاں ہو رہی تھیں مگر اس کا جی مکدر سا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود اس خوشگوار محفل کو انجوائے نہیں کر پا رہی تھی۔
"زرتاج بھائی! یہ کباب لیں نا۔ میں نے خاص طور پر آپ کے لیے بنائے ہیں۔" ہلکے سبز کپڑوں میں ملبوس کھلی کھلی عذرا بڑی چاہ سے پلیٹ ان کی طرف بڑھا رہی تھی۔
فارینہ کی شریانوں میں خون ابلنے لگا۔
"ہونہہ۔ محترمہ "پرچا" رہی ہیں۔" وہ سلگ کر رہ گئی۔ امی کے ذریعے اسے اتنا تو علم ہو چکا تھا کہ عصمت خالہ اپنی بیٹی عذرا کے لیے زرتاج کی آس لگائے بیٹھی ہیں۔ اس وقت تو یہ سن کر اسے خوشی ہوئی تھی مگر اب صورتحال مختلف تھی۔ اب وہ اس کی رقیب کے طور پر سامنے آئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا اس کا خون پی جائے۔
"ہونہہ۔ وہ کون ہوتی ہے زرتاج کے لیے کھانا بنانے والی۔" اس کی خالص زنانہ جلن اسے تلملاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔
"ارے فارینہ۔ بھابی! آپ بہت خاموش بیٹھی ہیں۔ کیا بات ہے؟" ڈاکٹر شجاع کی بیگم نے اسے گم صم پا کر ٹھوکا دیا تھا۔
زرتاج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ گلابی بکیش کی جھلملاتی ساڑھی میں گھنگھریالے بالوں کی لٹوں کے ہالے میں اس کا ملائم شہابی چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کے سرخ مرطوب ہونٹ، سیاہ چمکیلی آنکھیں، چمکتے گال اور لچکیلی ڈال کا سا شاداب سراپا گلابی لباس میں مزید پر بہار ہو گیا تھا۔
زرتاج کو وہ اتنی اچھی لگی کہ بے اختیار اس کی دید میں کھو گئے۔
ان کی نظروں کی تپش محسوس کر کے وہ خود میں سمٹنے لگی اور قدرے ترچھی سی ہو کر بیگم شجاع کی اوٹ میں ہو گئی۔
"دراصل کچھ عرصے بعد میرے فائنل امتحانات

ہونے والے ہیں اسی لیے ذہن بار بار ادھر چلا جاتا ہے۔" فارینہ نے سنبھل کر بیگم شجاع سے بہانہ گھڑا۔

کھانا کھا کر سب ٹولیوں میں ادھر ادھر نکل گئے۔

"آؤ فارینہ، اوپر پہاڑی پر چلتے ہیں۔ وہاں بیٹھنے کی بڑی اچھی جگہ ہے اچھا انتظام ہے۔ کولڈ ڈرنکس وغیرہ بھی مل جاتی ہیں۔" وہ اسے ست سا بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آ کر بولے۔

باقی سب ادھر ادھر جا چکے تھے۔

"آپ جائیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے بیزاری سے اردگرد پھیلے سرسبز نظارے پر نگاہ جمائی۔

"کیوں۔ دل کیوں نہیں چاہ رہا؟" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھی فارینہ کو دیکھ کر مسکرائے۔ وہ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر عین سامنے کھڑے تھے۔

"کیا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟"

"نہیں۔" وہ پلکیں جھپکا کر آہستگی سے بولی۔

"پھر مجھ سے ناراضگی ہے کیا؟" وہ ہلکا سا اس کی جانب جھکے۔ وہ خاموش بیٹھی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ چہرے پر ناخوشگوار تاثرات چھپائے نہیں چھپ رہے تھے۔

"آپ کی جانے بلا۔" وہ خفگی سے بولی اور چہرے کا رخ موڑ لیا۔ "آپ کو کیا پروا۔"

"مجھے ہی تو پروا ہونی چاہیے۔" وہ نچلا لب ہونٹوں تلے دبا کر مسکرائے۔ اس کے روٹھے روٹھے تیور مزا دے رہے تھے۔

"آؤ چلتے ہیں۔ دیکھو سب ادھر ادھر گھومنے نکل گئے ہیں۔" انہوں نے پھر اصرار کیا۔

"تو آپ بھی چلے جائیں۔ عذرا کو ساتھ لے لیں۔" وہ نگاہ کترا کر خشک لہجے میں بولی۔

انہوں نے ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

"عذرا تو غالباً عالیہ کے ساتھ گئی ہیں۔" انہوں نے سادگی سے وضاحت کی۔

"آپ کو بہت افسوس ہو رہا ہے تو میں بلا لاتی ہوں۔" وہ تلملا کر کہہ گئی۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے مگر تم اپنا موڈ تو ٹھیک کرو۔ اتنے سرسبز اور خوشبودار ماحول میں ناراض رہنا اچھی بات تو نہیں ہے۔" انہوں نے بچوں کی طرح بہلاتے ہوئے جھک کر اس کا ہاتھ تھام کر اٹھا دیا۔

"میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ گھبرانے لگی۔ وہ بدستور نگاہ چرائے ہوئے تھی۔

"موڈ بھی بن جائے گا۔ تم آؤ تو سہی۔" وہ اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر سرسبز ڈھلانوں کی طرف چل پڑے۔

"دیکھو کتنی تروتازہ فضا ہے۔" وہ اسے چیئراپ کر رہے تھے۔

"مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"کیا میرا ساتھ برا لگ رہا ہے؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔ فارینہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

زرتاج کا جی مکدر سا ہو گیا۔ انہوں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ اس کی ضد، خفگی، ناگوار تاثرات اور جھنجلاہٹ اس کی ناپسندیدگی کی واضح عکاسی تھی۔ کیا فائدہ زور زبردستی کرنے کا۔

وہ وہیں رک گئے۔ آگے جانے سے کچھ حاصل بھی تو نہیں تھا۔

"جس کو میرے ہمراہ چند قدم چلنا دوبھر ہو رہا ہے وہ زندگی بھر کا ساتھ کیا نبھائے گی۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئے۔ ان کے چہرے کے جاندار تاثرات حرف غلط کی طرح مٹ گئے تھے اسکی جگہ اضمحلال، تھکن اور مایوسی نے لے لی تھی۔

"ارے زرتاج بھائی! آپ ادھر ہی رک گئے۔ اوپر آئیے ناں۔ ادھر پل کراس کر کے اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ہم تو اوپر تک سب نظارے کر کے آئے ہیں۔ آپ نہیں گئے ابھی تک؟" عذرا عالیہ کے ہمراہ لکڑی کا پل پار کر کے ان کی طرف بڑھتی ہوئی جوش سے پوچھ رہی تھی۔

"ہمیں کوئی ساتھی نہیں ملا اوپر تک سفر کرنے

کے لیے۔" انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا۔ "فارینہ کا موڈ نہیں ہو رہا۔" ساتھ ہی انہوں نے اس کا دفاع بھی کیا تھا۔

"اوہو۔ اچھا۔ تو ایسا کیجئے ہمارے ساتھ چلیئے۔" عذرا نے بڑی چاہ سے آفر کی۔

"آپ تھک گئی ہوں گی۔" انہوں نے اخلاق نبھایا۔ "ایک چکر تو لگا چکی ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ آپ کے ساتھ دوبارہ چلے جاتے ہیں۔ ایسی کیا بات ہے؟" وہ خوش دلی سے بولی۔

"آیئے پھر۔" کچھ سوچ کر وہ اس کے ساتھ ہو لیے۔

فارینہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ قہر بھری نظروں سے دونوں کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

"کہاں گم ہو؟" عالیہ گہری نظروں سے اس کا تجزیہ کر رہی تھی۔ ہونٹوں پر ذو معنی تبسم تھا۔

"ہونہہ۔ لی جمالو کہیں کی۔" اس نے مٹھیاں بھینچ کر عالیہ کی طرف پلٹ کر کہا۔

"اس کا کیا قصور ہے۔ یہ تو تمہاری حماقت کا ہی نتیجہ ہے۔ خود ہی تو انہیں آفر کی تھی دوسری لڑکی کا انتخاب کرنے کی۔ اب وہ ایسا کر گزرے ہیں تو تمہیں برا کیوں لگ رہا ہے۔" عالیہ طنزاً بولی۔

"بقول تمہارے تمہارا تو ان سے صرف کاغذ کا تعلق ہے۔"

فارینہ خود پر لعنت ملامت بھیج رہی تھی۔

"وہ مرد ہیں۔ انہیں اپنی زندگی کا عملی ساتھی چاہیے وہ کسی کا بھی انتخاب کر سکتے ہیں۔" عالیہ کے تیر نشانے پر لگ رہے تھے۔

"بس کرو عالیہ! مجھے پہلے ہی رونا آ رہا ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اب رونے سے حاصل؟" عالیہ بے رحمی سے گویا ہوئی اس وقت فارینہ کو آئینہ دکھانے کی ضرورت تھی۔

وہ سچ مچ رو پڑی۔

"کیسے اس چہیتی کے ساتھ چل پڑے۔" وہ دانت پیس رہی تھی۔

"بھئی ان کی مرضی۔ جو ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گا اسی کو ہمراہ لیں گے۔" عالیہ برجستگی سے بولی۔ "اچھا۔ اب یہ رونا دھونا بند کرو۔" آخر کار عالیہ کو اس پر ترس آ گیا اس کے پاس آ کر اس کی پشت تھپتھپائی اور پھر سمجھانے لگی۔

"ابھی بھی بازی تمہارے ہاتھ میں ہے نیک سلوک اور خدمت و اخلاص سے ان کا دل جیت لو۔ انہیں باور کراؤ کہ تم کو ان کی ضرورت ہے۔ ان کی چاہت تمہارے دل میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فارینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے عزم کیا مگر اس کا یہ عزم پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اس دن کے بعد زرتاج اتنا بدل ہوئے کہ اس سے کوئی توقع رکھنا چھوڑ دیا۔ اب وہ اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات میں گم رہتے تھے۔ عذرا کے امتحانات ختم ہونے کے بعد وہ اماں بی سمیت رخصت ہو گئی۔ ان کے جاتے ہی دونوں کو ریلیف مل گئی تھی۔ فارینہ اپنے پہلے والے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔

دونوں کے اپنے اپنے معمولات تھے مگر نہ جانے کیوں یہ صورتحال فارینہ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ پڑھائی سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ یونہی بولائی بولائی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چکراتی پھرتی۔

کبھی کسی کام سے ان کے کمرے میں آتی تو وہ مختصراً بات کرنے کے بعد کتاب اپنے چہرے کے آگے رکھ لیتے تھے۔ وہ طوہا کرہا واپس پلٹ آتی۔

"اف مجھ سے اس درجہ بیزار ہو گئے ہیں۔" وہ ان کے التفات کی عادی تھی۔ اب انہوں نے جو بے توجہی اور بے نیازی کا سلوک برتا تو اس کے دل پر چوٹ سی پڑی تھی۔

"اتنے خفا ہیں کہ ڈھنگ سے بولنے کے بھی روادار نہیں۔" اسے اپنی دنیا تاریک نظر آنے لگی۔ اگر عذرا اس گھر میں آ گئی تو میرا مقام کیا ہو گا؟" وہ یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی۔

"میں کس حیثیت میں یہاں رہوں گی؟ کہاں جاؤں گی؟"

اس نے آج تک ان کے سلوک کی پذیرائی نہیں کی تھی مگر آج اس کا دل بھی انہی کی طرح دکھا ہوا تھا۔ انہیں اسی طرح میرا رویہ ناگوار گزرا ہوگا۔ وہ ان پر بے رخی کی چنگاریاں برساتی رہی تھی ان کا دل بھی تو پتھر کا نہیں تھا۔

میں آپ کی بے رخی اور خود سے بے نیازی نہیں سہہ سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں خود سے اعتراف کرتی ہوئی سسک پڑی۔

وہ کب تک ان کا دل دکھاتی رہے گی۔ انہیں نارسائی کے کرب سے دوچار کرتی رہے گی۔ وہ سچ مچ اس کے خلوص دل سے طالب ہیں تبھی تو اس کی ہر کج ادائی سہہ لیتے ہیں۔

♣ ـــــ ✳ ـــــ ♣

رات کے کسی پہر اسے شدید پیاس محسوس ہوئی تو وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ پانی پی کر کچن سے نکلنے کو تھی جب برآمدے میں سگریٹ کے شعلے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔ ایک لمحے کو تو اسے اچھا خاصا خوف محسوس ہوا۔ پھر ہمت کرکے برآمدے میں نکلی۔ رات کا سناٹا بول رہا تھا۔ چاند کی ملگجی روشنی اردگرد پھیلی ہوئی تھی اور اس بولتے سناٹے میں وہ بے قراری سے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے بے تحاشا سگریٹ پھونک رہے تھے۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے سامنے آگئی۔

"تم ابھی تک نہیں سوئیں؟" انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" فارینہ نے بڑے دکھ سے ان کا جائزہ لیا۔

"بیمار، قدرے مضمحل تھکا ہوا وجود، بے سکونی اور بے خوابی سرخ انگارہ آنکھوں سے خود بخود جھلک رہی تھی۔

"آپ اتنی سگریٹ نہ پیا کریں۔ صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔"

"تمہیں بھی میری صحت کی فکر رہنے لگی؟" وہ عجیب سے انداز میں مسکرائے وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس نے سر اٹھا کر کہا حالانکہ وہ سمجھ رہی تھی۔

"یہی تو مصیبت ہے کہ تم کچھ نہیں سمجھتیں۔" انہوں نے نچلا لب دبایا۔ "جاؤ جاکر آرام کرو۔ رات بہت ہوگئی ہے۔" ان کے لہجے میں گمبھیرتا چھا گئی۔

"اور آپ؟" وہ ہچکچا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"میری تو قسمت میں ہی بے آرامی لکھی ہے۔ کوئی کیا کرسکتا ہے۔" انہوں نے طویل سانس لی۔

فارینہ کا دل پگھلنے لگا۔ دفعتاً" وہ آگے بڑھی اور ان کے شانے سے سر ٹکا دیا مگر آج ان کے بازو اس کے وجود کا حلقہ کرنے کے لیے نہیں اٹھے۔ انہوں نے چپکے سے اسے الگ کردیا اور سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"خود کو قابو میں رکھو۔ جس رشتے کو تم نے دل سے نہیں قبولا اس کے جملہ حقوق کا مظاہرہ کرکے مجھے گناہ گار نہ کرو۔"

پھر وہ سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر جیب میں رکھ کے اسے اندر آنے کا اشارہ کرکے آگے بڑھ گئے۔

فارینہ پر سکتہ طاری ہوگیا۔

گویا پانسہ پلٹ گیا تھا۔ ان کے خشک اور بے تاثر لب و لہجے نے اسے بہت دکھ دیا تھا۔

وہ کھوئے کھوئے انداز میں اپنے کمرے میں پلٹ آئی۔ زرتاج کا بے مہر سلوک اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔

ساری رات وہ بے چین و بے قرار رہی۔

♣ ـــــ ✳ ـــــ ♣

"فارینہ! کھانے کے بعد میرے کمرے میں آنا۔ کچھ بات کرنا ہے۔" اس رات کھانا کھا کر وہ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اندر چلے گئے تھے۔

وہ سوچوں میں کھو گئی۔ جانے کیا کہنا ہے۔ کہیں عذرا؟ نوالہ اس کے حلق میں اٹکنے لگا۔ خدایا میرا کیا بنے گا؟ پڑھائی کے معاملے میں وہ بالکل کوری ہوگئی

تھی۔ مارے باندھے۔ بی۔ اے کے پرچے دیے تھے۔ بس ڈگری کے لیے اب پاس فیل ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

اگر انہوں نے اس کاغذی رشتے کو نبھانے سے انکار کردیا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اتنی تعلیم بھی نہیں ہے کہ اس کے بل بوتے پر اچھی جاب مل سکے۔ پڑھنے لکھنے اور اعلیٰ ملازمت کے حصول کے خواب جیسے مٹی میں مل گئے ہیں۔ کچھ کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔

وہ مختلف اندیشوں میں گھری ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”عصمت خالہ نے عذرا کے رشتے کے سلسلے میں آج مجھے بلوایا تھا۔“ انہوں نے چھوٹتے ہی بتادیا۔

فارینہ نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ الٰہی خیر۔

”تو کیا آپ نے ہاں کردی؟“ اس نے اڑے اڑے حواس سمیٹنے کی کوشش کی۔

”ہاں۔ ظاہر ہے اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ ہمارے ہاں خاندان سے باہر لڑکی بیاہنے کا رواج نہیں ہے۔“ انہوں نے طویل سانس لی۔

”کیا؟“ فارینہ کے سر پر چھت آن گری۔

”یہ کیا ہوگیا تھا۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت وصامت رہ گئی۔

”اگر آپ کو یہی کرنا تھا تو پہلے کیوں نہ کرڈالا۔ مجھ سے بندھن کیوں باندھا۔ سیدھا سیدھا عذرا کو بیاہ لاتے۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک پڑی۔

”کیا حماقت ہے فارینہ۔“ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ ”بھئی یہ کیا بچکانہ پن ہے۔ میں عذرا سے کیونکر بیاہ رچاتا۔“ انہوں نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

”تو۔ تو پھر اب کیسے خیال آگیا؟“ وہ سر سے پاؤں تک جھلس گئی۔

”لاحول ولاقوۃ۔“ انہوں نے برا سا منہ بنایا۔ ”عذرا کی شادی فیضان سے ہورہی ہے۔ عصمت خالہ نے اس سلسلے میں مجھ سے رائے طلب کی تھی۔ فیضان اب کافی سدھر گیا ہے اور اپنے والد کے ساتھ اسٹور پر بیٹھنے لگا ہے۔ بہت اچھا نہ سہی مگر بہرحال خاندان میں عذرا کو اس سے موزوں رشتہ نہیں مل سکتا۔ یہی سمجھا کر میں نے عصمت خالہ کو ہاں کرنے کا مشورہ دیا تھا۔“ وہ بھنا کر بتا رہے تھے۔

”ہائیں۔“ اس نے ہونق بن کر سر اٹھایا۔

”تو۔ تو۔ آپ عذرا سے شادی نہیں کررہے؟“ اس کے بہتے آنسو یکلخت رک گئے تھے۔

زرتاج نے بغور اس کی شکل دیکھی۔ شہابی گالوں پر بہتے آنسوؤں کی لکیریں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ شبنمی آنکھوں میں سرخوشی کے رنگ تھے۔

”کس قدر احمق ہیں آپ۔ میرا ابھی اتنا دماغ خراب نہیں ہوا۔ ایک ہی کرکے پچھتا رہے ہیں۔“ انہوں نے برامان کر وضاحت کی۔ اس کی حاسدانہ کیفیت‘ عذرا کے لیے جلاپا اور دوسری شادی کے معاملے میں اس درجہ فکرمندی نے زرتاج کے مزاج پر خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے۔

انہیں اس کا یہ انداز اچھا لگا۔

”ویسے میں ایسا کر بھی سکتا ہوں۔ بھئی۔ تم نے خود ہی تو وعدہ لیا تھا۔“ وہ کتاب کے اوراق الٹتے ہوئے بے پروائی سے بولے۔

وہ دھک سے رہ گئی۔

”جی نہیں۔ آپ ایسا نہیں کریں گے۔“

”کیوں؟“ وہ چیں بجبیں ہوئے۔ ”آخر مجھے بھی اپنی ازدواجی زندگی گزارنے کا اختیار حاصل ہے۔“

وہ سر جھکا کر انگلیاں مروڑنے لگی۔

”میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ مجھے اب بھی آپ سے شکوہ ہے۔ آپ نے میری تمام گستاخیاں برداشت کیں اور کچھ نہیں کہا۔ سمجھایا بھی نہیں۔“ اس کی آنکھیں پھر چھلکنے لگیں۔

”سمجھایا انہیں جاتا ہے جو سمجھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔“ فارینہ کو افسوس ہوا کہ آج اس کے آنسو بھی تاثیر کھو رہے تھے۔ انہیں کچھ پروا ہی نہیں تھی مزے

سے کتاب پڑھ رہے تھے۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"ناراضگی کا کیا حق پہنچتا ہے مجھے۔" نظریں بدستور کتاب پر تھیں۔

"کیوں نہیں۔ آپ کو سب حقوق حاصل ہیں۔" آخر کار اس نے سر جھکا کر آنچل مروڑتے ہوئے کہہ ڈالا۔

انہوں نے کتاب دوبارہ بند کر کے گہری نگاہ اس پر ڈالی پھر چبھتے ہوئے انداز میں بولے۔

"اوہو۔ بڑی جلدی خیال آگیا۔"

"اتنے خفا ہیں کہ ڈھنگ سے بولنے کے روادار بھی نہیں۔" اسے رونا آنے لگا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو ظالم لڑکی۔ تمہیں خبر ہی نہیں۔ تم نے کبھی میرے دل میں جھانک کے دیکھا۔ اس عرصہ میں تم نے مجھے کتنا ستایا ہے۔ کبھی تم نے سوچا؟ میں رہ رہ کر بیمار کیوں پڑتا تھا۔ تم سے کیا چاہتا تھا؟ تمہارے بدل کر دینے والے رویے مجھ پر کس طرح گراں گزرتے تھے؟ کبھی کوئی درد تمہارے دل میں جاگا؟ کبھی تم نے اندازہ لگایا کہ میں کس کرب سے گزر رہا ہوں۔ مجھے کس قسم کے علاج کی ضرورت ہے۔ یہ کاغذی تعلق کس طرح میرے ایمان، میری قوت ارادی اور حوصلے کا امتحان بن کر اندر سے توڑ پھوڑ رہا ہے؟ نہیں۔ بلکہ تم اعلیٰ درجے کی بے حسی سے میری جذباتی کیفیات پر برف ڈال دیا کرتی تھیں۔ کبھی تمہیں میرے دل کا خیال آیا؟ ایک احمقانہ سی بات کے پیچھے تم نے مجھے اعصابی جنگ میں مبتلا کیے رکھا۔ میری راتیں بے خواب اور دن بے تاب گزرتے رہے۔ کبھی تم نے پروا کی؟ میری تنہائی کے سلگتے سمندر میں ڈوب کر مجھے بھنور سے بچانے کی کوشش کی؟ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔"

"پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔" وہ ملامت سے چور چور تھی۔

"ایک شرط پر معاف کر سکتا ہوں۔" انہوں نے پہلو بدل کر بستر پر بیٹھتے ہوئے اس کی سمت دیکھ کر بھاری لہجے میں کہا۔

"کیا؟" وہ بے تابانہ بولی۔ اس بے چاری پر تو انہیں راضی کرنے کا بھوت سوار تھا۔

"مان جاؤ کہ میرے، تمہارے درمیان کا رشتہ اصل، سچا اور مضبوط ہے۔" ان کے لہجے میں تحکم تھا۔ "ہمیشہ کے لیے میری ہو جاؤ فارینہ۔" دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ملیں اور جانے کیسے کیسے افسانہ کہہ گئیں۔ فارینہ کا دل گویا کنپٹی کے پاس دھڑکنے لگا۔ وہ سرخ چہرہ لیے نگاہ جھکا کر ان کے پاس چلی آئی۔ آہستگی سے نزدیک بیٹھتے ہوئے اس نے بے اختیار اپنے برف سے ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔

"آپ ہی کی تو ہوں۔"

"عنایت، کرم، شکریہ، مہربانی۔" وہ یکبارگی ہلکے پھلکے ہوگئے۔ ان کی ساری نقاہت اور بیماری جاتی رہی۔ دل خوشیوں کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگا۔ بہت خوبصورت سے تبسم سمیت انہوں نے اس کے نرم سفید ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرمی بخش دی۔

آخر کار پانیوں کے مسافر اور آسمانوں کے مکین کا ملاپ ہو گیا تھا۔

■■

## اپنے کب اپنے ہوتے ہیں

اپنے کب اپنے ہوتے ہیں
بس نام کے اپنے ہوتے ہیں
اپنوں کا سب کچھ ہو کر بھی
کچھ لوگ بے گانے ہوتے ہیں
یہ آج نئی نہیں بات ہوئی
ایسا تو اکثر ہوتا ہے
ان کو تو پھینک ہی دیتے ہیں
جو پھول پرانے ہوتے ہیں

صابر حمید تبسم، چشتیاں شریف